# افسانہ بنگال



تیرتھ رام فیروزپوری

# مفت مفت مفت

مندرجہ ذیل میں سے جو نسا سب سمجھیں صرف ایک کارڈ لکھکر منگوا کر واقفیت حاصل کریں۔ آپ ان کو دیکھکر خوش ہوں گے۔

**رسالہ امرت** ۔جس کے اندر دنیا میں نئی ایجاد و تقریباً کل امراض کا ایک ہی علاج مشہور ومعروف اور عجیب دوائی۔

## "رجسٹرڈ۔ رجسٹرڈ امرت دھارا"

کا جو سرکار سے رجسٹری ہو چکی ہے مفصل بیان ہے آپکے دیکھنے کے قابل ہے کس طرح ایک ہی دوائی تتنے فائدے کر سکتی ہے دھوکے سے بچو۔ امرت دھارا کا نسخہ دنیا میں سوائے پنڈت جی کے کوئی نہیں جانتا ہے۔

## رسالہ امراض مخصوصہ مردان

مردوں کے خفیہ امراض کے اسباب۔ علامات اور علاج آجکل کی حالت کا مکمل فوٹو۔ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے گمشدہ طاقت کے مایوس مریض اس کو پڑھکر کہا کرتے ہیں کاش کہ ہم اس کو اول دیکھتے۔ یہ چالیس صفحے کا خوبصورت رسالہ بھی مفت ہے

## فہرست ادویات دیش اپکارک و امرت دھارا اوشدھالیہ

یہ فہرست ادویات کے نام و ان کے صرف ضروری مختصر اوصاف بتلاتی ہے اس کے اندر طبی کتب مصنفہ شرمیان کوی دنو دیشت ٹھاکر دت شرما وید موجد امرت دھارا وایڈیٹر اردو و ہندی دیش اپکارک کی فہرست بھی موجود ہے۔

## طبی اخبار دیش اپکارک

اردو میں ہفتہ وار اور ہندی میں پندرہ روزہ ہے ہندوستان بھر میں کوئی ہفتہ وار طبی اخبار سوا اس کے نہیں ہے جن کو ابھی حکمت کا خیال ہے یا حکمت کے ضروری اصول جاننے کی خواہش ہے۔ وہ دیکھتے ہی اس کے خریدار بن جاتے ہیں نمونہ مفت ہے قیمت سالانہ ۲ شش ماہی ۱۲ سہ ماہی ۸ ہندی کی سالانہ قیمت ۱۲ )

نوٹ۔ ایجنٹ بننے میں بڑا فائدہ ہے ہمارے لائق ایجنٹ بہت کماتے ہیں۔ قواعد آسان ہیں۔

پتا کافی ہے: امرت دھارا

# افسانہ بنگال

جسمیں

بنگال کے مشہور و معروف فسانہ نگار بابو ربندر ناتھ ٹیگور۔ بابو پربھات
کمار مکوجی۔ مسٹر ایچ دت۔ مسٹر این گپتا۔ اور شریمتی سنیہ لتا سین کے
آٹھ نہایت دلچسپ اور پسندیدہ بنگالی قصوں کو سلیس اور شستہ اردو میں
ترجمہ کرکے یکجا کیا گیا ہے

مرتبہ

## بابو تیرتھ رام صاحب فیروزپوری

مصنف دست تاسف۔ انجام وفا وغیرہ

برائے کارخانہ

## لال برادرس پبلشرز و بک سیلرز

## مٹ۔ پارسنز روڈ۔ نولکھا۔ لاہور

پہلی مرتبہ ۱۹۱۳ء میں

آریہ سٹیم پریس لاہور میں باہتمام نیاز دین پرنٹر [illegible]

تعداد جلد ایک ہزار

# دیباچہ

مختصر فسانہ نگاری زمانہ موجودہ میں تمام ترقی یافتہ زبانوں کے علم ادب کا جزو لازم سمجھی جاتی ہے۔ اور سچ پوچھو۔ تو ایک دلچسپ موثر اور پاکیزہ چھوٹی سی کہانی سے جس قدر مفید نتائج اخذ ہو سکتے ہیں۔ وہ نہ تو کسی طویل اور خشک فلسفیانہ مضمون سے حاصل ہونے ممکن ہیں۔ نہ کسی ضخیم و بسیط ناول سے انگریزی میں سب سے زیادہ شرح اجرت مختصر قصص کے لئے مقرر ہے۔ یہانتک کہ بعض رسالے ڈیڑھ دو صفحہ کی کہانی کے لئے سوا سو ڈیڑھ سو پونڈ تک معاوضہ دیتے ہیں۔ لیکن اردو کے ادب میں اس وقت تک جہاں اور بہت سی خامیاں ہیں ماہنی میں ایک یہ بھی ہے کہ اس زبان میں مختصر فسانہ نگاری کے فن نے بہت ہی کم ترقی کی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ملک کے بعض سربرآوردہ رسایل میں کچھ عرصہ سے طرز جدید کی بعض کہانیاں درج ہونے لگی ہیں لیکن ان کے لکھنے والوں کی کوششیں اس وقت تک ایک تنگ دایرہ میں محدود ہیں اور اس چھوٹے حلقہ کے اندر بھی بعض اوقات اس قسم کے نقایص دیکھنے میں آجاتے ہیں جن کا دور ہونا ہرچند کہ اس وقت کچھ بھی مشکل نہ ہوگا جبکہ ملک کے کثیر التعداد مائیناز انشا پرداز اس طرف اپنی توجہ مبذول کرینگے۔ تاہم سر دست ان کا وجود معیوب ضرور ہے۔ مثلاً ان میں بہت کرکے ایک ہی رنگ کی جھلک نظر آنا۔ ان کا کسی خاص نقطہ نظر سے لکھا جانا اور ان کا سوسائٹی کے تمام طبقوں پر حاوی نہ ہونا وغیرہ وغیرہ

سونٹ لکھتا ہے کہ "فسانہ نگاری میں بالعموم دو عیب ضرور پائے جاتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ایک ہی بات کو بار بار دہراتے جانا۔ اور دوسرے اپنے ذخیرہ معلومات کو بہت جلد ختم کر دینا۔ پس جو شخص اس قابل قدر فن میں حصہ لینا چاہتا ہو اس کے لئے انہی دو باتوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ کہ ایک تو اس کا حافظہ مضبوط ہو اور دوسرے وہ اپنی صحبت کو بدلتا رہے" مدعا یہ کہ مختصر فسانہ نگاری کے لئے بھی درجہ اول میں مطالعہ اور مشاہدہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اس بات کی کہ "مناسب الفاظ مناسب موقعہ پر استعمال کئے جائیں"

بنگالی زبان اس بات [illegible] اردو کی نسبت زیادہ خوش نصیب ہے۔ کہ جن دو باتوں کی اردو [illegible] اسکی یہ یعنی [illegible] قصص وہ اس میں بہت بڑی حد تک موجود ہیں۔ ناٹکوں پر سر دست اس میں کلام نہیں کہ مختلف کامیاب بنگالی فسانہ نویسوں

کی کہانیوں میں جس شاعرانہ تخیل مصورانہ رنگ آمیزی اور لطافت و نفاست کی جھلک پائی جاتی ہے اسکا بہت ہی ہلکا چربہ اس وقت تک اردو قصوں میں دیکھا گیا ہے۔ ان حالات کو مدنظر رکھکر ضروری معلوم ہوا کہ بعض اعلےٰ درجے کے بنگالی قصوں کو اردو لباس میں اہل مذاق کے روبرو پیش کیا جائے۔ اسی خیال نے موجودہ کتاب کی صورت اختیار کی ہے اور گو اس میں کہانیاں زیادہ تعداد میں داخل نہیں کی گئیں تاہم جتنی یہاں جمع کیگئی ہیں وہ قابل رشک انشا پردازوں کی بہترین کوششیں ہیں اور اس اعتبار سے یقیناً نہایت دلچسپ و موثر پائی جائینگی ہر چند کہ اس مجموعہ میں زیادہ تر اس قسم کی کہانیاں ہی جمع کیگئی ہیں جو پہلی مرتبہ اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں تاہم بعض جگہ کسی قصہ کی معنوی خوبیوں نے اس بات کو نظرانداز کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ قبل ازیں اردو خواں پبلک کے کسی حصہ میں منظور و مقبول ہو چکا ہے۔ ترجمہ میں حتی الامکان مصنف ہی کی عبارت آرائی اور طرز تحریر کی تقلید کی گئی ہے اور اس خیال سے کہ ہر کام میں یکسانیت ناگوار اور تلون پر لطف معلوم ہوتا ہے۔ ترتیب کو عمداً الٹ پلٹ کر دیا گیا ہے۔

اگر پبلک نے اس مختصر کتاب کو دلچسپی کی نظر سے دیکھا تو ارادہ ہے کہ دوسرے ایڈیشن میں بہت سی نئی کہانیاں داخل کرنیکے علاوہ مصنفین کی عکسی تصاویر بھی دی جائیں تاکہ ناظرین کو ان حضرات سے روشناس ہونیکا موقعہ حاصل ہو سکے جو بنگالی ادب کے آسمان پر تارے بنکر چمکے ہیں۔

لاہور۔ ۴۔ اپریل ۱۹۱۳ء

تیرتھ رام

# فہرست

# افسانہ بنگال

## غلطی

بابو رابندرا ناتھ ٹیگور کے قلم سے

۱

برندابن کُنڈ سخت غصہ کی حالت میں اپنے باپ کے پاس آکر کہنے لگا "میں اسی وقت آپ سے رخصت ہونا چاہتا ہوں"

اس کے والد جگن ناتھ کُنڈو نے اظہار نفرت کے ساتھ کہا "بدبخت! ناشکرا! میں نے جو روپیہ تیرے کھانے کپڑے پر صرف کیا ہے جس وقت تو اُسے ادا کر لیگا۔ تو اس وقت ایسی دھمکی دینا"

جس قسم کا کھانا کپڑا جگن ناتھ کے گھر میں عام طور پر ملا کرتا تھا۔ اس پر چنداں زیادہ لاگت نہ اُٹھتی تھی۔ ہندوستان کے قدیم رشی بہت کم خرچ میں کھانے کپڑے کا انتظام کیا کرتے تھے جگن ناتھ کے طرز عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بارہ میں انہی کے قایم کردہ اصول پر چلنا پسند کرتا تھا۔ اگر وہ پورے طور سے اس معیار ذہنی کو نباہنے سے قاصر رہتا تھا۔ تو اس کی وجہ کچھ تو یہ سمجھی جا سکتی ہے کہ جس سوسائٹی میں وہ بود و باش رکھتا تھا وہ اپنے پرانے اصول سے بہت نیچے گر چکی تھی اور کچھ یہ کہ اس کی روح کو جسم کے ساتھ ملائے رکھنے کے معاملہ میں فطرت کا تقاضا بہت شدید اور ناواجب تھا۔

جب تک برندابن کنوارا تھا۔ اس گھر کا گذارہ خاطر خواہ ہوتا رہا۔ لیکن شادی کے بعد اس نے بہت بڑی حد تک اس اعلےٰ و ارفع معیار کو جو اس کے والد بزرگوار نے قایم کر رکھا تھا ترک کرنا شروع کر دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیاوی آسایش کے متعلق اس کے خیالات روحانیت سے مادیت کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور کھانے کپڑے کی قلت سے اسے گرمی سردی بھوک پیاس وغیرہ جو تکالیف پیش آتی ہیں۔ اس نے انہیں برداشت کرنا پسند نہ کر کے دنیا کے عام لوگوں کے طریق عمل کی تقلید شروع کر دی ہے۔

جب سے برندابن نے اپنے باپ کے قایم کردہ اعلےٰ اصول کو چھوڑا تبھی سے باپ بیٹے تکرار شروع ہو گیا۔ اس معاملہ نے انتہائی صورت اس وقت

سخت بیمار ہوئی اور اس کے علاج کے لئے ایک کبیراج کو طلب کیا گیا۔ یہانتک بھی معاملہ قابل معافی تھا۔ مگر جس وقت کبیراج نے مریضہ کے لئے ایک نہایت قیمتی دوائی تجویز کی۔ تو جگن ناتھ نے معاً سمجھ لیا کہ یہ کبیراج نالائق ہے۔ اصول بیدک سے بالکل واقف نہیں۔ پس اس نے اسے فوراً مکان سے باہر نکال دیا۔ برندابن نے پہلے تو باپ کی منت سماجت کی۔ کہ علاج جاری رکھا جائے۔ پھر جھگڑا بھی کیا۔ لیکن باپ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر کار اس کی بیوی مر گئی۔ پھر تو برندابن کا غصہ انتہا سے بڑھ گیا۔ اور اس نے اپنے باپ کو اس کا قاتل قرار دیا۔

جگن ناتھ نے اسے حسب معمول سمجھانے بجھانے کی بہت کوشش کی اور کہا "تم کیسی ناسمجھی کی باتیں کرتے ہو۔ کیا لوگ ہر قسم کی دوائیں پینے سے نہیں مرتے؟ اگر قیمتی دوائیں ہی انسان کو زندہ رکھ سکتیں تو بڑے بڑے راجے مہاراجے کیوں مرتے؟ اس سے پہلے تمہاری ماں اور دادی بھی تو مر چکی ہیں یہ بھی مر گئی تو کیا ہوا؟ اس میں کونسے لال لگے ہوئے تھے؟"

برنداین اگر اس قدر مغموم وملول اور صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے ناقابل نہ ہوتا۔ تو ممکن تھا۔ کہ وہ ان باتوں سے بہت کچھ تسلی حاصل کر لیتا۔ اس سے پہلے مرنے کے وقت اس کی ماں اور دادی نے بھی دوا نہیں پی تھی۔ اور دوا نہ پینے کی یہ رسم نہایت قدیم زمانہ سے اس خاندان میں چلی آتی تھی۔ لیکن نئی پود کا اخلاق اتنا بگڑ چکا ہے کہ وہ پرانے طریقے پر مرنا بھی پسند نہیں کرتی جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ ان دنوں انگریز ہندوستان میں نئے ہی نئے آئے تھے۔ لیکن اس وقت بھی اس ملک کے بڑے بوڑھے اپنی اولاد کے خلاف معمول طریقوں پر اظہار حیرت واضطراب کیا کرتے تھے۔ اور آخر کار جب کچھ بن نہ آتا تو اپنے منہ سے حقوں سے اطمینان قلب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

غرض یہ کہ جس وقت معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو برنداین سے نہ رہا جا سکا اور اس نے جوش واضطراب کے ساتھ اپنے باپ سے کہا "میں جاتا ہوں"

باپ نے اسے مصر دیکھکر فوراً اجازت دیدی اور علانیہ طور پر یہ بھی کہدیا۔ کہ چاہے دیوتا میرے طریق عمل کو گئو ہتیا کے برابر ہی کیوں نہ سمجھیں میں عہد کرتا ہوں کہ تمہیں اپنی جایداد سے ایک کوڑی بھی نہ دونگا۔ دوسری طرف برنداین نے یہ کہا کہ اگر میں تمہاری دمڑی کو بھی ہاتھ لگاؤں۔ تو اپنے آپ کو ماد کشی کا گنہگار سمجھونگا۔

گاؤں کے لوگ سمجھتے تھے ایک طویل ہم آہنگی کے بعد اس چھوٹے سے انقلاب آمیز جھگڑے کو بڑے اپنے اکلوتے بیٹے کو عاق کر دیا تھا۔ اس لئے ہر شخص

اسے تسلی دینے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ سب اس بارہ میں متفق الرائے تھے کہ محض بیوی کی خاطر سے باپ کے ساتھ جھگڑا کرنے کا سماں ان گئے گذرے ایام ہی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق وہ جو وجہ پیش کرتے تھے۔ وہ بھی نہایت معقول تھی۔ یعنی وہ کہتے تھے "اگر کسی کی بیوی مرجائے۔ تو وہ بڑی آسانی سے دوسری حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن باپ مرجائے۔ تو ساری دنیا کے مال و متاع کے عوض بھی اسے حاصل نہیں کیا جا سکتا"۔ اس میں کلام نہیں کہ ان کا منطق ہر طرح مکمل تھا۔ لیکن ہمیں شبہ ہے کہ دوسرا باپ حاصل کرنے کی دقت اس گمراہ بیٹے کو کہاں تک متاثر کر سکتی تھی۔ بخلاف اس کے ہمارا خیال یہ ہے کہ اگر ایسا موقعہ پیش آتا۔ تو وہ اسے خدائی رحم میں داخل سمجھتا۔

برندابن سے جدا ہونے کا صدمہ اس کے باپ کو چنداں سختی سے محسوس نہیں ہوا۔ اس کی بعض خاص وجوہ تھیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے چلے جانے پر گھر کا خرچ کم ہو گیا۔ دوسرے اس کے دل پر سے ایک بہت بڑا فکر دور ہو گیا۔ ہر وقت اسے اس بات کا خوف لگا رہا کرتا تھا کہ کہیں میرا بیٹا مجھے زہر دیکر نہ مار دے جب کبھی وہ اپنا مختصر سا کھانا کھانے لگتا تو یہی خیال اسے بیتاب کئے دیتا تھا کہ اس میں زہر نہ ملا ہوا ہو۔ یہ فکر بہت بڑی حد تک اس کی بہو کے انتقال پر دور ہو گیا تھا۔ لیکن اب تو وہ بالکل ہی باقی نہ رہا۔

لیکن جس طرح نہایت تاریک بادلوں میں چمکدار بجلی اور صدرجہ کے طوفانی سمندر میں بھی نہایت قیمتی رتن موجود ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بڈھے جگن ناتھ کے سخت دل میں بھی ایک کمزوری پائی جاتی تھی۔ برندابن جاتے وقت اپنے ساتھ اپنے چار سالہ بیٹے گوکل چند کو لے گیا تھا۔ چونکہ اس کی خوراک اور پرورش کے اخراجات بہت کم تھے۔ اس لئے جگن ناتھ کو اس سے بے حد محبت تھی۔ بایں ہمہ جب برندابن اسے اپنے ہمراہ لے گیا۔ تو سب سے پہلے رنج و افسوس کے احساس کے ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں یہ حساب کرنا شروع کیا کہ ان دونوں کے چلے جانے سے ماہوار خرچ میں کتنی تخفیف ہو جائے گی۔ اس بچت کی سالانہ رقم کہاں تک پہنچے گی۔ اور اس بچت کو اگر کسی رقم کا سود سمجھا جائے تو اس کا اصل کتنا ہو سکتا ہے۔

جب تک گوکل چند گھر میں رہا کرتا تھا وہ اپنی شوخی و شرارت سے جگن ناتھ کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھتا تھا۔ لیکن اس کے چلے جانے پر چند دن کے بعد بڈھے کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس سے پہلے جب وقت جگن ناتھ پوجا پاٹ میں مصروف ہوتا تو گوکل اسے چھیڑا کرتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت اس کے آگے سے روٹی یا چاول اٹھا کر بھاگ جاتا اور خود کھا لیتا تھا اور جب وہ حساب کرنے بیٹھتا تو اس کی دوات پکڑ دوڑ جاتا تھا۔ مگر اب اس کے چلے جانے پر یہ سب باتیں بھی دور ہو گئیں۔ گو روزانہ ہم آہنگی اس کے لئے بار محسوس ہونے لگی۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا

تنے والی دنیا ہی میں برداشت کیا جا سکتا ہے۔ جب کبھی وہ گوکل کی شرارتوں کو یاد کرتا رضائیوں میں اس کے ہاتھوں سے کیے بھدے شگافوں یا دری پر قلم دوات سے اسکی بنائی ہوئی بھدی تصویروں کو دیکھتا تو اس کا دل مارے غم کے بیٹھ جاتا تھا۔ جگن ناتھ کو اپنے سونے کے کمرہ میں ایک کونے کے اندر پڑی ہوئی گوکل کی دھوتی کے ٹکڑے نظر آئے تو بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ یہی وہ دھوتی تھی جسے گوکل نے دو سال کے قلیل عرصہ میں پھاڑ دیا تھا۔ تو جگن ناتھ نے اسے جھڑکا اور بُرا بھلا کہا تھا۔ مگر اب اس نے ان ٹکڑوں کو اٹھا کر بڑی احتیاط سے اپنے صندوق میں رکھ لیا اور اس بات کا عہد کر لیا کہ اگر گوکل میرے جیتے جی پھر کبھی واپس آگیا۔ تو چاہے وہ ہر سال ایک دھوتی پھاڑے میں اس سے کبھی ناراض نہ ہونگا۔

لیکن گوکل نے نہ واپس آنا تھا نہ آیا۔ غریب جگن ناتھ دن بدن بوڑھا ہوتا جا رہا تھا۔ اور اس کا خالی گھر دن بدن زیادہ زیادہ بھیانک اور ڈراؤنا نظر آتا تھا

آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی۔ کہ وہ اطمینان کے ساتھ گھر میں نہ بیٹھ سکتا تھا۔ دوپہر کے وقت جب گاؤں کے سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سوئے پڑے ہوتے تھے۔ جگن ناتھ ناریل ہاتھ میں لئے گلیوں میں گھومتا نظر آتا تھا۔ گاؤں کے لڑکے جب کبھی اسے اپنی طرف آتے دیکھتے تو کھیل چھوڑ کر دور فاصلہ پر جا کھڑے ہوتے اور اس قسم کے شعر گانے لگتے تھے جن میں ایک مقامی شاعر نے بڈھے جگن ناتھ کی کفایت شعارانہ عادات کی تعریف کی تھی۔ کوئی شخص اس ڈر کے مارے اس کا اصلی نام زبان پر نہ لاتا تھا۔ کہ اس روز اسے بھوکا* رہنا پڑیگا۔ اس لئے لوگوں نے اس کے قسم قسم کے نام رکھ چھوڑے تھے۔ عمر رسیدہ لوگ اسے جگن ناش کہا کرتے تھے۔ لیکن معلوم نہیں چھوٹے لڑکے اسے چڑیل کیوں کہتے تھے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی جلد خشک اور بدن بہت خالی نظر آتا تھا اور اس اعتبار سے وہ ان ہوائی روحوں سے مشابہ سمجھا جاتا تھا

## ۲

ایک دن سہ پہر کے وقت جبکہ جگن ناتھ حسب معمول گاؤں کی گلیوں میں آم کے چھتنارے درختوں کے نیچے اپنا ناریل ہاتھ میں لئے پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا جو بظاہر اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ گاؤں کے لڑکوں کا سرغنہ بنا ہوا انہیں کوئی نئی شرارت سمجھا رہا ہے اس کے زبردست کیریکٹر اور اس کے خیالات

* ہن بھی لوگوں کے اندر یہ وہم پایا جاتا ہے۔ کہ کسی منحوس نام لینے سے انسان کو دن بھر

کی جدت سے متاثر ہوکر تمام لڑکوں نے اس بات کا عہد کر لیا تھا۔ کہ ہر کام اس کے کہنے کے مطابق کریں گے بخلاف دوسرے لڑکوں کے وہ بڈھے جگن ناتھ کو اپنی طرف آتا دیکھکر دوڑ نہیں گیا۔ بلکہ اس کے قریب جاکر اپنی چادر جھاڑنے لگا۔ معاً اس میں سے ایک زندہ چھپکلی نکلکر بڈھے کے جسم پر گری۔ اور اس کی پیٹھ کی طرف سے نیچے اتر کر جنگل کی طرف بھاگ گئی۔ مارے خوف کے بڈھے کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ جس کو دیکھکر باقی لڑکے بہت خوش ہوئے اور خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ جگن ناتھ بڑبڑاتا اور گالیاں دیتا بہت دور نہ گیا تھا۔ کہ وہ صافہ جو اس کے کندھے پر پڑا رہا کرتا تھا۔ غائب ہو گیا اور دوسرے لمحہ میں اس اجنبی لڑکے کے سر پر پگڑی کی صورت میں بندھا ہوا نظر آیا۔

لڑکے کی طرف سے اس قسم کا سلوک ہوتا دیکھکر جگن ناتھ پہلے تو کسیقدر آزردہ ہوا لیکن پھر وہ گاؤں کی روزانہ ہم آہنگی کو اس طرح شکست ہوتے دیکھکر خوش بھی ہوا۔ عرصہ دراز سے لڑکے اس کی صورت ہی دیکھکر بھاگ جایا کرتے تھے۔ اور اسے ان سے بولنے یا گفتگو کرنے کا موقعہ پیش نہ آتا تھا۔ لڑکا اس شرارت کے بعد پرے بھاگ گیا تھا۔ مگر بہت سے وعدوں اور دلاسوں کے بعد آخر وہ اس کے قریب آیا۔ اور ان میں یہ گفتگو ہونے لگی۔

"بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟"

"نتھئی پال"

"گھر کہاں ہے؟"

"میں نہیں بتاؤنگا"

"تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

"میں نہیں بتاؤنگا"

"کیوں نہیں بتاؤگے؟"

"میں گھر سے بھاگ کر آیا ہوں"

"بھاگے کیوں تھے؟"

"میرا باپ مجھے اسکول جانے کو کہتا تھا"

جگن ناتھ کے دل میں خیال آیا۔ ایسے ہونہار لڑکے کو اسکول بھیجنا کیسی فضول بات ہے اور وہ کیسا بیوقوف اور ناعاقبت اندیش باپ ہوگا۔ جو اسے اسکول بھیجنا چاہتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ کہنے لگا۔ "اچھا بھئی تم میرے ہاں رہنا پسند کروگے؟"

لڑکے نے جواب دیا "بہت اچھا" اور اسی دن سے اس کے گھر میں رہنے لگا۔ اسے اس گھر میں داخل ہونے سے اتنا بھی تامل نہیں ہوا۔ جتنا تاریکی میں کسی درخت کے سایہ میں جانے سے ہو سکتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس نے اپنے کھانے کپڑے کے متعلق ایسے بے دھڑک طریقہ پر سوال کرنے شروع کئے۔ گویا وہ برسوں کا وہاں رہنے والا ہو یا اپنا حق پہلے سے ادا کر چکا ہو۔ اگر کوئی چیز اس کے منشا کے مطابق نہ ہوتی تو وہ بڈھے سے جھگڑا کرنا شروع کر دیتا تھا۔ جگن ناتھ اپنے بیٹے کو تو دھمکا ڈرا بھی لیتا تھا۔ مگر لسے قابو میں لانا خالاجی کا گھر نہ تھا۔ اسے ہر بار شکست ماننا پڑتی تھی۔

## ۳

گاؤں کے لوگ حیران تھے۔ کہ جگن ناتھ نے نتائی پال کو کیوں اس قدر سر چڑھا رکھا ہے سب لوگ جانتے تھے۔ کہ بڈھا اب چند دن نہیں تو چند مہینوں کا مہمان ہے۔ اور وہ اس بات کو سوچکر بہت کڑھتے تھے۔ کہ اس کے مرنے پر اس کی تمام جایداد کا مالک یہی لڑکا ہوگا۔ وہ اس پر بہت حسد کرنے لگے۔ اور انہوں نے اس بات کا ارادہ کر لیا۔ کہ اسے ضرور نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ مگر بڈھا اس کی ایسی ہی نگرانی کرتا تھا۔ گویا وہ اس کی پسلی کی ہڈی ہو۔

بعض اوقات لڑکا دھمکی دیکر کہتا تھا میں چلا جاؤنگا۔ ایسے موقعہ پر بڈھا تحریص کے طور پر کہا کرتا تھا "میں اپنی ساری جایداد تمہیں دونگا" لڑکا ہر چند کہ نو عمر تھا۔ تاہم اس وعدہ کی اہمیت کو بخوبی سمجھتا تھا۔

گاؤں والوں سے اور کچھ نہ ہو سکا۔ تو انہوں نے اس لڑکے کے باپ کے متعلق تحقیقات کرنا شروع کی۔ ان کو یہ سوچکر بہت رنج ہوتا تھا۔ کہ اس کے والدین اس کی یاد میں مغموم ہونگے۔ لڑکا بہت شریر ہے کہ انہیں اس طرح چھوڑ کر بھاگ آیا ہے وہ اسے ہزار ہزار گالیاں دیتے تھے۔ لیکن یہ سب باتیں وہ جس جوش کے ساتھ کرتے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ انصاف نہیں بلکہ حسد سے کام لیتے ہیں۔

ایک روز بڈھے کو کسی راہگیر کی زبانی معلوم ہوا۔ کہ دامودر پال اپنے بیٹے کی تلاش میں پاس کے گاؤں اور قصبات میں پھر رہا ہے اور عنقریب اس گاؤں میں آیا چاہتا ہے۔ نتائی نے جب یہ بات سنی تو فطرتی طور پر اس کی دلی محبت نے جوش مارا اور وہ بے چینی کی حالت میں تمام دھن دولت چھوڑ کر اپنے باپ کے پاس چلے جانے کیلئے تیار ہو گیا جگن ناتھ اسے روکنے کے لئے ہر ممکن طریق پر کوشش کرتا تھا چنانچہ اس نے اسے کہا۔ "تم اپنے باپ کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں پیٹے گا۔ میں تمہیں ایک ایسی جگہ چھپا دوں گا اور اس کا پتہ نہ مل سکے گا۔ یہاں تک کہ گاؤں والے بھی معلوم نہ کر سکیں گے"

اس سے لڑکے کے دل میں استعجاب پیدا ہوا اور وہ کہنے لگا "بابا مجھے کہاں چھپاؤ گے ؟ بھلا وہ جگہ تو مجھے دکھا دو"

جگن ناتھ نے جواب دیا "اگر میں وہ جگہ تمہیں اس وقت دکھاؤں تو لوگوں کو خبر ہو جائے گی ۔ رات ہو لینے دو"

بچوں میں نئی اور پراسرار جگہ کو دیکھنے کا مادہ ہمیشہ زبردست ہوتا ہے رنتی بھی یہ بات سنکر خوش ہو گیا ۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ جب میرا باپ مجھے تلاش کرنے کے بعد ناکام واپس چلا جائیگا ۔ تو میں شرط بد کر لڑکوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلا کرونگا ۔ اور کوئی معلوم نہ کر سکے گا کہ میں کہاں چھپا ہوں ۔ واقعی اس وقت بڑا مزا ہوگا ۔ والد بھی گاؤں کا کونا کونا چھان ماریگا اور مجھے کہیں نہ پا سکیگا ۔ یہ بھی ایک دل لگی ہوگی"

دوپہر کے وقت جگن ناتھ لڑکے کو تھوڑی دیر کے لئے مکان میں بند کر کے کہیں چلا گیا ۔ اس کے واپس آنے پر رنتی نے اس سے اس قدر سوالات کئے کہ وہ دق ہو گیا ۔

آخر کار جب رات ہوئی ۔ تو رنتی کہنے لگا "بابا اب تو مجھے وہ جگہ دکھا دو" جگن ناتھ نے جواب دیا کہ "ابھی رات نہیں ہوئی"

اس کے تھوڑی دیر بعد لڑکے نے پھر کہا "بابا اب تو بہت رات ہو گئی ہے اب تو چلو"

جگن ناتھ نے آہستگی سے کہا "ابھی گاؤں کے لوگ سوئے نہیں ہیں"

رنتی نے پھر ایک لمحہ تامل کیا اور بولا "بابا اس وقت تو سب لوگ سو گئے ہیں ۔ مجھے بھی نیند آ چلی ہے آؤ اب تو چلیں"

رات بہت گذر چکی تھی ۔ غریب لڑکا اتنی دیر کبھی نہ جاگا تھا ۔ اس لئے اس کو بیدار رہنے میں بھی بڑی دقت پیش آ رہی تھی ۔ آخر کار آدھی رات کے قریب جگن ناتھ لڑکے کا بازو پکڑ کر خوابیدہ گاؤں کی تاریک گلیوں میں راستہ ٹٹولتا ہوا باہر نکلا ۔ ہر طرف سناٹا تھا ۔ صرف کبھی کبھی کوئی کتا بھونکنے لگ جاتا تھا ۔ جبکہ باقی کتے بھی اس کے ساتھ ملکر بھونکنا شروع کر دیتے تھے ۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں ان کے قدموں کی چاپ سے کوئی پرندہ درخت کی شاخ پر سے بازو پھڑپھڑا تا اڑ جاتا تھا ۔ رنتی مارے خوف کے کانپ رہا تھا ۔ مگر جگن ناتھ نے اس کا بازو بزور پکڑا ہوا تھا

چند در چند کھیتوں میں سے گذر کر آخر کار یہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے ۔ یہاں پر ایک شکستہ مندر کھڑا تھا جس میں کسی دیوتا کی مورت نظر نہ آتی تھی

ننئی نے اسے دیکھکر مایوسی کے لہجہ میں کہا "بس یہی جگہ تھی"
یہ جگہ اس کے قیاس ذہنی سے بالکل مختلف تھی۔ کیونکہ اس میں کوئی اسرار موجود نہ تھے جب سے وہ گھر سے بھاگا تھا۔ بارہا ایسے ہی شکستہ مندروں میں راتیں بسر کر چکا تھا۔ ہرچند کہ آنکھ مچولی کھیلنے کے لئے یہ ایک بہت عمدہ جگہ تھی۔ تاہم نہ ایسی کہ اس کے ساتھ کھیلنے والے لڑکے وہاں اس کا سراغ نہ چلا سکتے۔
جگن ناتھ نے فرش کے وسط سے ایک پتھر کی سل اٹھائی۔ اس کے نیچے حیرت زدہ لڑکے کو ایک تہ خانہ نظر آیا جس میں ایک مدہم سا چراغ جل رہا تھا۔ خوف اور استعجاب دونوں اس کے دل پر غالب تھے۔ اندر ایک چوبی سیڑھی کھڑی تھی۔ جگن ناتھ اس کے اوپر سے نیچے اترا اور ننئی بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔
نیچے اتر کر لڑکے نے ادھر ادھر دیکھا۔ تو اسے ہر طرف پیتل کے مٹکے پڑے ہوئے نظر آئے۔ ان کے وسط میں ایک آسن بچھا ہوا تھا اور سامنے تھوڑا سفید و رگھسا ہوا صندل چند ایک جنگلی پھول اور پوجا کا باقی سامان رکھا ہوا تھا۔ لڑکے نے اپنا استعجاب رفع کرنے کے لئے ان مٹکوں میں سے بعض کے اندر ہاتھ ڈالا اور باہر نکالکر دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ ان میں روپے اور سونے کی مہریں موجود ہیں۔
جگن ناتھ نے لڑکے کو مخاطب کر کے کہا "ننئی میں نے تم سے کہا تھا۔ کہ میں اپنا سارا دھن دولت تمہیں دیدوں گا۔ میرے پاس چنداں زیادہ روپیہ جمع نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہے ان مٹکوں ہی کے اندر بھرا ہوا ہے۔ یہ سب کچھ میں آج تمہارے حوالہ کرنا چاہتا ہوں"
ننئی مارے خوشی کے اچھل پڑا۔ اور بولا "سب؟ تم ان میں سے ایک روپیہ بھی اپنے پاس نہ رکھو گے؟"
بڈھے نے جواب دیا "اگر میں اس میں سے کچھ لوں۔ تو بھگوان کرے۔ میرا وہ ہاتھ جذامی ہو جائے لیکن میں یہ دولت تمہیں ایک شرط پر دیتا ہوں۔ اگر کبھی میرا پوتا گوکل چندر یا اس کا بیٹا یا اس کا پوتا یا پڑپوتا۔ یا اسکی اولاد سے کوئی شخص اس راہ سے گذرے تو تمہیں لازم ہوگا۔ کہ یہ ساری دولت ایک ایک روپیہ اور مہر تک اس کے حوالہ کر دو"
لڑکے نے تھوڑی دیر کے لئے غور کی اور سوچا کہ بڈھا پاگل ہو گیا ہے۔ پھر کہنے لگا "بہت اچھا میں ایسا ہی کروں گا"
جگن ناتھ نے کہا "بہت اچھا تو اس جگہ آسن پر بیٹھ جاؤ"

ہا لئے

"تمہاری پوجا کی جائے گی"

لڑکے نے حیران ہو کر پوچھا "پوجا کس لئے؟"

بڈھے نے جواب دیا "یہی قاعدہ ہے"

لڑکا طوعاً و کرہاً آسن پر بیٹھ گیا۔ جگن ناتھ نے اس کے ماتھے پر صندل لگایا۔ بھوؤں کے بیچ میں سیندور کی بندی لگا دی۔ جنگلی پھولوں کا ہار اس کے گلے میں ڈال دیا اور کچھ منتر پڑھنے لگا۔ بیچارہ منی دیوتا کی طرح آسن پر بیٹھکر منتر سنتا سنتا عاجز ہو گیا۔ اس کے علاوہ نیند سے اسکے پپوٹے بھاری ہو رہے تھے۔ آخر کار اس نے گھبرا کر کہا "بابا"

لیکن جگن ناتھ جواب دیئے بغیر برابر منتر پڑھے چلا گیا۔

آخر کار منتروں کا سلسلہ ختم ہوا اور اس نے بڑی مشکل سے ایک ایک گھڑے کو کھینچکر لڑکے کے روبرو رکھا اور یہ الفاظ مجبوراً اسکی زبان سے ادا کرائے۔

"میں صدق دل سے وعدہ کرتا ہوں۔ کہ اس تمام خزانہ کو گوکل چندر کندو ولد برندابن کندو ولد جگن ناتھ کندو یا اس گوکل چندر کندو کے بیٹے۔ پوتے۔ پڑپوتے یا اس کی اولاد کے کسی شخص کو جو اس کا جائز اور واجب جانشین ہوگا دیدوں گا"

بار بار ان الفاظ کو کہنے میں غریب لڑکے کے ہوش مارے گئے۔ اور اسکی زبان خشک ہونے لگی جب یہ رسم ختم ہوئی۔ تو غار کی ہوا چراغ کے دھوئیں اور ان دونوں کے سانس کی وجہ سے کثیف معلوم ہوتی تھی۔ لڑکے کو اپنا حلق مٹی کی طرح خشک اور ہاتھ پاؤں جلتے محسوس ہوتے تھے۔ اس بیچارہ کا دم گھٹا جارہا تھا۔

چراغ رفتہ رفتہ مدہم ہوتا گیا حتیٰ کہ آخر کار ایک ہچکولا کھا کر گل ہو گیا۔ اس کے بعد تاریکی میں منی کو ایسا معلوم ہوا کہ بڈھا جلد جلد سیڑھی کے اوپر چڑھ رہا ہے۔ اس نے گھبرا کر پوچھا "بابا تم کہاں جارہے ہو"؟ جگن ناتھ نے بدستور اوپر کی طرف چڑھتے ہوئے جواب دیا "میں اب جاتا ہوں۔ تم یہاں رہو یہاں تمہیں کوئی ڈھونڈھ نہ سکیگا۔ برندابن کے بیٹے اور جگن ناتھ کے پوتے گوکل چندر کا نام یاد رکھنا"

اس کے بعد اس نے اوپر جاکر سیڑھی کھینچ لی۔ لڑکے نے گھٹی ہوئی افسوسناک آواز میں کہا "میں اپنے باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ یہاں مجھے ڈر لگتا ہے"

جگن ناتھ نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے غار کے دہانہ پر پتھر کی سل رکھدی۔ اسکے

دوزانو ہوکر اپنا کان پتھر کے قریب لگا کر سننے لگا۔ اندر سے آواز آئی "باجی! باجی"! اس کے بعد کسی بھاری چیز کے فرش پر گرنے کی آواز سنائی دی۔ اور پھر بالکل خاموشی چھا گئی۔

اس طرح اپنی دولت یکش[1] کے حوالہ کرکے جگن ناتھ نے جلد جلد پتھر کے اوپر مٹی ڈالنی شروع کردی۔ اس پر اس نے شکستہ اینٹیں اور چونہ رکھہ دیا اور پھر مٹی بچھا کر اس میں جنگلی گھاس اور بوٹیوں کی جڑیں گاڑ دیں۔ رات قریب قریب ختم ہوچکی تھی۔ مگر وہ اس جگہ سے ہٹ کر گھر نہ جاسکتا تھا۔ رہ رہکر اپنا کان زمین پر لگاتا اور آواز سننے کی کوشش کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اب بھی اس غار کے اندر سے یا زمین کی اتھاہ گہرائی میں سے ایک دردناک رونے کی سی آواز سنائی دے رہی ہے۔ اسے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ رات کے آسمان پر صرف وہی ایک آواز محیط ہے اور دنیا بھر کے لوگ اس آواز سے بیدار ہوکر بستروں میں بیٹھے اسے سننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

پاگل بوڑھا جوش میں آکر اور زیادہ مٹی ڈالے جا رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ اس آواز کو دبا دے لیکن اس پر بھی رہ رہکر اس کے کان میں آواز آتی تھی "باجی ہائے باجی"۔

اس نے پورے زور سے زمین پر قدم مار کر چلا کر کہا "چپ رہو۔ لوگ تمہاری آواز سن لینگے"۔ لیکن پھر بھی اسے معلوم ہوتا تھا کہ "ہائے باجی" "ہائے باپ" کی آوازیں رہ رہکر سنائی دے رہی ہیں۔ اتنے میں افق مشرق سے آفتاب نے سر نکالا اور جگن ناتھ مندر کو چھوڑ کر کھیتوں کی طرف آیا۔ وہاں بھی کسی نے اس کے پیچھے سے آواز دی "باپ" گھبراہٹ کی حالت میں اس نے پیچھے پھر کر دیکھا تو اس کا بیٹا برندابن تھا۔

برندابن کہنے لگا "میں نے سنا ہے میرا لڑکا تمہارے گھر میں چھپا ہوا ہے اسے میرے حوالہ کردو"۔ یہ سنکر بڈھے کی تیلیاں پھیل گئیں منہ چوڑا ہوگیا اور اس نے پیچھے کو جھک کر پوچھا "کیا کہا؟ تمہارا لڑکا؟" برندابن نے جواب دیا "ہاں میرا لڑکا گوکل۔ اب اس کا نام نتئی پال ہے۔ اور میں نے اپنا نام دامودر پال مشہور کر رکھا ہے۔ تمہاری نحوست کی شہرت نواحات میں اس قدر پھیل چکی تھی۔ کہ مجبوراً ہمیں اپنے اصلی نام بدل دینے پڑے۔ ورنہ ممکن تھا۔ لوگ ہمارے نام لینے سے بھی احتراز کرتے"۔

بڈھے نے باہستگی دونوں ہاتھ سر کے اوپر اٹھائے اس کی انگلیاں اس طرح حرکت کرنے لگیں۔ گویا وہ ہوا میں کسی نظر نہ آنے والی شے کو پکڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر وہ بیہوش ہوکر زمین پر گر پڑا جب اسے

[1] یکش ایک قسم کا فرضی وجود ہوتا ہے جس کا ذکر سنسکرت کے علم الاصنام میں آیا ہے بنگال میں یک یا یکش خزانہ محافظ بھوت کو کہتے ہیں جس کے سپرد ان حالات میں دولت کی گئی ہو ۱۲

ہرتن آیا تو اپنے بیٹے کا بازو پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا شکستہ مندر کے قریب لیگیا اور پوچھنے لگا "تمہیں اس کے اندر سے کسی کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے؟" برندابن نے جواب دیا "نہیں"

بڈھے نے کہا "ذرا غور سے سنو کوئی آواز اندر سے "باجی۔ باجی" کہتی سنائی نہیں دیتی؟"

برندابن نے پھر کان لگا کر جواب دیا "نہیں" اس سے بڈھے کے دل کا فکر گو بہت بڑی حد تک دور ہو گیا تاہم اس کے ساتھ ہی فہم و خرد نے بھی جواب دے دیا۔

اس دن کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ گاؤں میں آوارہ پھرتا اور لوگوں سے پوچھا کرتا تھا "تمہیں کسی کے رونے کی آواز تو نہیں آتی؟"

لوگ اسکی دیوانگی پر قہقہہ لگایا کرتے تھے۔ اس کے قریباً چار سال بعد جگن ناتھ بستر مرگ پر پڑا تھا جبکہ اس دنیا کی روشنی رفتہ رفتہ اسکی آنکھوں سے دور ہوتی جا رہی تھی اور سانس زیادہ تکلیف سے آنے لگا تھا۔ وہ یکایک ہذیان کی حالت میں اٹھکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کی طرف اٹھا لئے اور ہوا میں اس طرح کی حرکات کرتے ہوئے گویا کسی چیز کو ٹٹول رہا ہو۔ کہنے لگا "ننھے۔ میری سیڑھی کس نے اٹھا لی؟"

اس خوفناک قید خانہ سے جہاں نہ تو دیکھنے کیلئے روشنی اور نہ سانس لینے کیلئے ہوا تھی۔ باہر نکلنے کیلئے سیڑھی نہ پا کر وہ پھر ایکبار اپنے بستر پر گر پڑا اور اس طریقہ میں غائب ہو گیا جہاں دنیا کے دائمی آنکھ مچولی کے کھیل میں کوئی چھپنے والا کبھی پایا نہیں گیا۔

---

نوٹ:۔ اس قصہ میں جو واقعات درج ہیں وہ ہر چند کہ زمانہ موجودہ میں خوش قسمتی سے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ تاہم ایک زمانہ میں بنگالہ میں ان کا بہت زور تھا۔ مصنف نے اس قصہ کے دوران میں صرف ایک جگہ عمداً یا سہواً رواج عام کے خلاف واقعات بیان کئے ہیں۔ اس قسم کے مجربات توہمات رکھنے والے بخیل لوگ ایسی رسمیں صرف اس خیال سے ادا کیا کرتے تھے کہ کسی آئندہ جنم میں یہ دولت خود ان کے ہاتھ آجائے گی جس شخص کو یک بنایا جاتا تھا۔ اس سے اس کی زندگی میں یہ وعدہ لیا جاتا تھا کہ "جب کبھی کسی آئندہ جنم میں تم مجھے اس راستہ گذرتے دیکھو تو یہ سارا خزانہ میرے سپرد کر دینا۔ اس وقت تک تم اسکے محافظ رہو"۔ بنگال میں بہت سے لوگوں کی نسبت یہ مشہور تھا کہ وہ پہلے غریب تھے لیکن پھر یکایک ایسے بھوتوں سے دولت پا کر مالدار بن گئے جن کے سپرد وہ کسی سابق جنم میں اپنا تمام مال و متاع کر گئے۔

# دودھ کا دودھ پانی کا پانی

مسٹر ایچ سی دت کے قلم سے

۱

موضع ستراجیت پور ضلع میمن سنگھ میں جو مشرقی بنگال کے دوسرے اضلاع کی نسبت زیادہ کوہستانی ہے عرصہ قریباً ۴۰ سال کا گذرا۔ ایک بڈھا زمیندار رہا کرتا تھا جسکی عزت نواحات کے باشندوں کے دلوں میں نہ صرف اس وجہ سے بہت بڑھی ہوئی تھی کہ وہ ایک قدیم اور زبردست خاندان کا سربراہ تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ اس میں دل و دماغ کی اعلےٰ ترین صفات پائی جاتی تھیں۔

خدا نے اس بڈھے پر اپنی تمام برکات نازل کر رکھی تہیں۔ وہ مالدار تھا اور اس کے سامنے بیٹیوں اور پوتوں کا بہت بڑا کنبہ موجود تھا۔ لیکن ایک بات کی اس گھر میں بھی کمی تہی۔ وہ یہ کہ اس بڈھے کی بیوی فوت ہو چکی تہی۔ وہ گذشتہ ۲ سال سے رنڈوا تھا۔ لیکن اپنے بیٹے بیٹیوں کی خوشی اور چہل پہل میں اسے بیوی کی کمی محسوس نہ ہوتی تہی۔ اس کے بچے اس سے بیحد پیار کرتے تہے اور کبھی کوئی بات ان سے ایسی سرزد نہ ہوتی تہی جو بوڑھے زمیندار کی ناراضگی کا باعث ہو۔ برعکس اس کے وہ ہر ایک کوشش اس قسم کی کیا کرتے تھے۔ کہ اس کی تمام حاجات و ضروریات بغیر کسی تکلیف کے رفع ہوتی رہیں۔ جیسا کہ اشارتاً اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ شخص کافی مالدار او صاحب اقتدار تھا۔

غرض ان سب باتوں کی بدولت ستراجیت پور کا بابو سارداربخن رائے چودھری نہایت خوش اور خوش نصیب شخص گنا جاتا تھا اور لوگ اس کی خوش قسمتی پر حسد کیا کرتے تہے۔ فی الحقیقت خود اسے بھی اس بات کا خیال تہا اور یہی وجہ تھی کہ کبھی کسی نے اس کی زبان سے شکایت کا حرف نہیں سُنا تھا۔

اس کا مکان ایک بہت بڑی عمارت کی وضع کا تہا جس کی ساخت ابتدائی ہندی طریق اور موجودہ یوروپین فیشن کا مجموعہ تہی۔ یہ عظیم الشان عمارت سات مختلف محلوں میں منقسم تہی جن میں سے ہر ایک میں بہت سے کمرے تہے۔ لیکن ہرچند کہ عمارت بہت بڑی تہی اور اس قدر قطعہ زمین پر پھیلی ہوئی تہی کہ اس پر ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہو سکتا تاہم اس کا کوئی حصہ غیر آباد نہ تہا۔ نہ صرف اس کا اپنا کنبہ بہت بڑا تہا۔ بلکہ یوں بھی اس کے نوکروں اور دوسرے عملے کی تعداد اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ ساری عمارت تہا۔

ساردا بابو کی بیوی فوت ہوئی تو اس کے ۴ لڑکے اور ۴ لڑکیاں تھیں۔ تمام لڑکیوں کی شادی ہو چکی تھی۔ اور ان میں سے ہر ایک کئی کئی بچوں کی ماں تھی۔ لیکن لڑکے ابھی تک سب کے سب کنوارے تھے۔ یوں بھی ان کی عمریں بہت بڑی نہ تھیں چنانچہ ان میں جو سب سے بڑا تھا اسکی عمر صرف ۲۱ سال کی تھی۔ ساردا بابو بہر چند کہ ایک پرانی وضع کا آدمی تھا۔ تاہم وہ سوشیل اصلاحات کا زبردست حامی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بیٹوں کی شادی اس وقت تک نہ کرے جب تک کہ وہ پورے جوان نہ ہو جائیں یہی باعث تھا کہ اس کا سب سے بڑا بیٹا امجند رلعل کنوارا تھا

اسی مکان میں ساردا بابو کی بہن کا اکلوتا لڑکا جادب چندر سانیال رہتا تھا۔ اسکی عمر قریب قریب رام چندر ہی کی عمر کے برابر تھی۔ اور ان دونوں کی آپس میں نہایت پختہ دوستی تھی جادب ایک نہایت ہوشیار اور ذہین لڑکا تھا۔ اور اسی لئے اس کے مالدار چچا نے نہ صرف اپنی وسیع ریاست کا انتظام اس کے حوالے کر رکھا تھا۔ بلکہ یوں بھی اسے اپنا پرائیویٹ سکرٹری بنا یا ہوا تھا۔

غرض یہ کنبہ نہایت ہی خوش تھا۔ اور کوئی بات اس کے امن میں خلل انداز ہونیوالی موجود نہ تھی لیکن افسوس خوشی ایک ایسی برکت ہے جس سے کوئی بھی شخص ساری عمر بلاتوقف فیضیاب نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ اس قسم کی باتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جو ان کی ہم آہنگی میں رخنہ اندازی کرنے یا اسے مٹا دینے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔

## ۲

وہ دن واقعی ہی نہایت منحوس تھا جبکہ ساردا بابو کا عمر رسیدہ پروہت مرا۔ وہ بے اولاد مرا تھا۔ اور کوئی دور یا نزدیک کا رشتہ دار ایسا نہ تھا۔ جسے اس کی بجائے مقرر کیا جاتا۔ لیکن بہر نوع اسکی جگہ پر کرنی ضروری تھی۔ ان دنوں چونکہ ذرا ذرا سی بات کے لئے اخبارات میں اشتہار دینے کا رواج نہ تھا اس لئے ساردا بابو کے کارندے مختلف اطراف میں اس غرض سے بھیجے گئے۔ کہ وہ کسی ایسے پارسا اور عالم فاضل برہمن کو تلاش کریں جو اپنا گھر بار چھوڑ اور خویش و اقارب سے قطع تعلق کر کے مدامی سکونت برائے چودہری کے مکان میں اختیار کرے۔ اس زمانہ میں اجناس اس قدر مہنگی نہ تھیں جیسی کہ آجکل ہیں اور یہی وجہ تھی۔ کہ ملازمت کی جگہ خواہ کیسی ہی عمدہ خالی ہو۔ اس کے لئے کوئی نیا آدمی تلاش کرنے میں نہایت پریشانی اٹھانی پڑتی تھی۔ بڑی محنت اور جستجو کے بعد نوادیپ (مرندیا) میں ایک برہمن ملا جسے تمام شاستروں پر عبور حاصل تھا۔ اور جس کے زہد و اتقا کا چار سو شہرہ سنا جاتا تھا۔ کسی قدر ترغیب دینے پر یہ شخص سترا جیت پور میں زمیندار موصوف کا خاندانی پروہت بنکر مدامی طور پر رہنے کے لئے رضامند ہو گیا۔ اس شخص کا نام سدانند ترکھ باگیش تھا۔ اسکی بیوی کچھ عرصہ پہلے مر چکی تھی۔ اور اس دنیا میں سوائے اس کی نوجوان بیٹی

نبین کلی کے اور کوئی اسکا رشتہ دار نہ تھا۔ نوبین کلی اپنے بے داغ حسن کے اعتبار سے راجہ اندر کی اپسرا بن کو شرماتی تھی۔ فی الحقیقت وہ خوبصورتی کی دیوی تھی اور سدانند کے زیادہ تر اپنے مطالعہ میں محو رہنے کی وجہ سے تاحال کنواری تھی جن دنوں وہ اپنے باپ کے ہمراہ ستراجیت پور پہنچی۔ تو اسکی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ اور اس کے حسن کی کلی کھلکر ایک شاندار پھول کی صورت اختیار کرتی جا رہی تھی

سدانند کو ستراجیت پور میں رہتے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ بڈھوں جوانوں سب میں یکساں ہر دلعزیز ہو گیا۔ دوسری طرف نوبین کلی چونکہ بڈھے ساردابابو اور گھر کی تمام عورتوں کی خدمت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتی۔ اس لئے وہ ان کی چھیتی بنی ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ تک معاملات کی حالت نہایت خوش گوار رہی حتیٰ کہ آخر کار اس گھر کی خوشی کے آسمان پر اُفق کے قریب ایک چھوٹا سا بادل نظر آنے لگا جو رفتہ رفتہ ستراجیت پور کے سارے شفاف آسمان پر پھیل گیا۔ اور وہ چونکہ سُرخ تھا۔ اس لئے اپنے ساتھ بے حد تباہی و بربادی لایا۔ یہ بادل کیا تھا۔ اس کا ذکر آگے چلکر کیا جائیگا۔

## ۳

رام چندر کی اٹھتی جوانی تھی۔ نوبین کلی کا حسن گلوسوز اور اس کا متوالا جوبن اس پر اپنا اثر کئے بغیر نہ رہا۔ رفتہ رفتہ اسکی محبت نامعلوم طور پر اس کے دل میں جاگزین ہو گئی۔ اور وہ اس سے شادی کرنے کی امید باندھنے لگا۔ افسوس وہ اپنی بے تکی میں اس بات سے غافل تھا کہ اس کے والد نے اسکی شادی کا انتظام ایک نہایت دولتمند گھر انے میں جس کی جایداد ان کی جایداد سے ملحق تھی کر رکھا تھا چونکہ وہ سمجھتا تھا کہ میری اس خوشی میں میرے والد یا کسی اور رشتہ دار کی طرف سے اعتراض نہ کیا جائیگا۔ اس لئے وہ چاشنی عشق سے گھونٹ مزے سے لیکر پیتا رہا۔ وہ نوبین کلی پر اس قدر شیدا اور بھی وارفتہ ہوتا گیا۔ کہ اس میں اسے بعض محاسن ایسے نظر آئے جن سے اسے ثابت ہو گیا کہ وہ بھولی لڑکی نہایت سادہ مزاج ہے اور اپنے سینے میں بالکل بے لوث اور معصیت سے پاک دل رکھتی ہے۔ وہ اس سے بے حد شرماتی تھی اور گو بارہا اسے اس کے سامنے آنے کا اتفاق ہوتا تاہم وہ صرف اس وقت اس پر نگاہ دزدیدہ ڈالتی تھی جب اسے معلوم ہوتا کہ اب مجھے کوئی نہیں دیکھتا۔ اگر اتفاق سے اس کی چمکدار آنکھیں رامچندر کی آنکھوں سے دوچار ہو جاتیں۔ تو وہ جھٹ انہیں جھکا لیتی اور اس کے گلابی رخساروں پر سرخی پھیل جاتی تھی۔ اگر وہ اسے کوئی چیز پکڑانے لگتی تو اس کے ہاتھ کانپنے لگتے تھے۔ اسی حالت میں کئی مہینے گذر گئے۔ لیکن گو آتش عشق اندر ہی اندر اس کا کلیجہ جلائے ڈالتی تھی۔ تاہم رامچندر میں اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت نہ تھی محبت اس کے قلب پر اس طرح بہتر کر رہی تھی کہ وہ اسے دبانے کی کوشش کرتا تو وہ اور بھی تیز ہوتی تھی

آخر موقعہ پاکر اس نے سارے حالات اپنے عزیز دوست اور رشتہ دار جادب کے سامنے بیان کر دیئے۔
وہ واقعہ میں ایک نہایت بری گھڑی تھی جب وہ اس حماقت کا مرتکب ہو بیٹھا۔ کیونکہ قصہ بیان کرتے وقت اس نے معلوم کیا کہ جادب اپنے ہونٹ کاٹ رہا ہے۔ اور کسی کسی وقت اسکا چہرہ نہایت بھیانک صورت اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ کیا تھی۔ اس کا علم سوائے جادب کے اور کسی کو نہیں تھا۔

رامچندر اپنے خیالات میں اس قدر محو تھا۔ کہ اس نے یا تو ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہ دی یا اگر اس کی نظر اپنے دوست کے چہرے پر پڑی۔ تو اس نے اس تبدیلی کو معمولی جانکر کچھ پروا نکی

اسی روز شام کے وقت ساردابابو سب حال سے واقف ہو گیا۔ جادب کو اپنے ماموں کی کمزوری معلوم تھی۔ اور اس نے اس سے خوب ہی فائدہ حاصل کیا۔ وہ بخوبی جانتا تھا کہ ساردابابو ایسا شخص ہے کہ سب کچھ ہاتھ سے دے بیٹھیگا۔ لیکن اپنے قول سے نہ پھرے گا اور وہ کبھی کا پہلے سے اس بات کا وعدہ کر چکا تھا۔ کہ میں اپنے بیٹے کی شادی پاس والے زمیندار کی لڑکی سے کرونگا جس سے ہمارا مشترکہ اثر اور طاقت سارے ہمین سنگھ میں پورے طور پر محسوس ہونے لگیگی۔ اس طرح پر رامچندر کی امید پوری ہونیکا قطعی کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ساردابابو کو جب اپنے بیٹے کے عشق کی خبر لگی تو اس نے فوراً رامچندر کو بلاکر اسے اپنی تجاویز اور ارادوں سے آگاہ کیا۔ آجتک وہ رامچندر کو نہایت حلیم اور اطاعت پذیر سمجھے ہوئے تھا۔ اور یہ بات اس کے ذہن میں آ نہ سکتی تھی۔ کہ میرا بیٹا میرے احکام کی خلاف ورزی کرے گا۔ لیکن یہی خلاف توقع بات ظہور میں آئی۔ عمر رسیدہ باپ نے اپنے بیٹے کے خیالات کو تبدیل کرنے اور محبت اور راحت کے خیالات فاسد کا ابطال ثابت کرنے کی بہت کچھ کوشش کی۔ لیکن اس کی ایک نہ چل سکی۔ رامچندر نے نہایت ادب لیکن بجہ استقلال کے ساتھ کہا۔ کہ کروں گا۔ تو نو بین کلی سے شادی کروں گا۔ نہیں تو کنوارا ہی مرونگا۔

آخر کار جب سارداباہو کی تمام دلیلیں نصیحتیں اور دھمکیاں سب بے سود ثابت ہوئیں۔ تو یکا یک اس نے یہ کہکر سارے گاؤں کو چونکا دیا۔ کہ میں خود نو بین کلی سے شادی کرونگا۔ اور اس طرح پر رامچندر کی امیدوں پر پانی پھر جائیگا۔ اب رامچندر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس کا غصہ بے قابو ہو گیا۔ اور وہ مارے جوش کے کانپتا اور اپنے منہ میں بڑبڑاتا اپنے والد کے پاس سے چلا گیا۔ لیکن بڑبڑانے میں اسکی زبان سے جو الفاظ نکلے۔ انہیں کوئی اچھی طرح نہ سمجھ سکا۔

دوسری طرف بڈھے زمیندار کا غصہ بھی اس قدر بڑھا۔ کہ اس نے ذہن میں پیچھے پیچھے اگلا

دن ابھی شادی کے لئے مقرر کر دیا ماس میں شک نہیں کہ رامچندر سدانند کا داماد بنتا۔ تو آخرالذکر بہت خوش ہوتا۔ لیکن یہ چونکہ ناممکن تھا ماس لئے طامع پنڈت نے سارد ا بابو ہی کو غنیمت جانا کیونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ وہ سارے میمن سنگھ میں زیادہ باافراد پیسے والا زمیندار ہے اور اسی اس ... شادی کر کے میری بیٹی بہت خوش رہے گی۔ غرض اس بات کا پورے طور پر تصفیہ ہو گیا کہ شادی اگلے روز شام کے وقت ہو جائے گی۔

## ۴

اگلے روز علی الصباح سارے سراجپت پور اور اس کے نواحات میں یہ خبر ہوا کی طرح پھیل گئی۔ کہ رات بابو سارد ا رنجن رائے چودھری قتل ہو گئے۔ جو اس خبر کو سنتا۔ یکایک باور نہ کرتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی لاش برف کے ایسے سفید بستر پر خون میں تر بتر پائی گئی۔ ان کا گلا ایک کان سے دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا۔ اس خوفناک سانحہ کی جس نے خبر سنی۔ حیران و ششدر رہ گیا۔

لاش پڑی ملنے کے بعد فوراً ہی رامچندر کی تلاش شروع ہوئی۔ لیکن وہ کہیں موجود نہ تھا۔ وہ ایک عقبی دروازے سے فرار ہو چکا ہے جہاں چوکیدار موجود نہ ہوتا تھا۔ اور اس لئے کسی نے اسے جاتے نہ دیکھا جب اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی۔ تو فرش پر خون کے چند داغ پائے گئے اور اس کے بستر کے نیچے ایک تیز دھار کا استرا پڑا ملا جس پر خون کے قطرے منجمد تھے۔

اس سانحہ کی خبر فوراً پولیس کو کی گئی تھوڑے عرصہ میں تھانیدار صاحب اور چند سپاہی آ موجود ہوئے آخر معمولی تحقیقات کے بعد قرار پایا۔ کہ یہ پدرکشی کا جرم ہے اور قاتل سوائے رامچندر کے کوئی نہیں ہو سکتا

## ۵

سارد ا رنجن کے قتل اور رامچندر کی فراری کے بعد انتظام ریاست کا کاروبار جادب چندر رسا ئیل نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ کیونکہ مقتول کے باقی دونوں بیٹے ابھی اس قدر ہوشیار نہ تھے۔ کہ وہ اس کام کو سر انجام دے سکتے۔

گاؤں میں ہر شخص کا خیال یہی تھا۔ کہ رامچندر محض اس وجہ سے اپنے باپ کے ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں کہ اس نے نوبین کلی سے جو رامچندر کی معشوقہ تھی شادی کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس جرم کے بعد وہ اس سزا سے جو اسے ملنی ضروری تھی۔ بچنے کیلئے فرار ہو گیا ہے۔ افسران پولیس بھی اسی نتیجہ پر پہنچے تھے۔ کیونکہ اس کے ثبوت میں انہیں رامچندر کے کمرے میں ایک استرا خون آلودہ مل گیا تھا اس سے زیادہ تسلی بخش اور یقینی ثبوت اس امر کا کہ قاتل بجز رامچندر ہی تھا۔ اور کیا درکار ہو سکتا تھا

اس میں شک نہیں کہ جادب بیچارے نے اپنے دوست کی بہت کچھ پردہ پوشی کرنے اور اس کی فراری کی وجوہ اور اور قرار دینے کی کوشش کی۔ مگر جہاں سارا جہان ایک طرف ہو۔ اور ایک اکیلا شخص ایک طرف تو اس کا کیا بس چل سکتا ہے۔ اس نے اپنی طرف سے بہت سی دلیلیں پیش کیں۔ لیکن کسی کو رامچندر کی بیگناہی کا یقین نہ آیا۔ بدنصیب رامچندر! جس گاؤں کا بچہ بچہ آج سے چند روز پیشتر اس کا دوست تھا۔ آج اس میں صرف ایک شخص ایسا تھا جو اسکی بیگناہی کا یقین رکھتا ہے۔ اور یہ شخص جادب چند رسانیال تھا۔ اس کا مستقبل تاریک تھا۔ ایسا تاریک کہ کسی کو اس کے زندہ اس گاؤں میں واپس آنے کی امید نہ تھی۔ سب لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اس کی بقیہ زندگی ایک بے خانمان بھکاری کی حیثیت میں گذرے گی۔ ہر شخص اس سے نفرت کرے گا اور کوئی اسے اپنے پاس پھٹکنے نہ دے گا اور راحت اس کے لئے ایک خواب یا افسانہ بن جائے گی

اس موقعہ پر ایک اور خیال پیدا ہوتا تھا کیا اپنے دل میں وہ کبھی اس چاند جیسے مکھڑے والی تصویر کو نہ دیکھتا ہوگا۔ جو ورزدیدہ نگاہوں سے اس طرح اس کی طرف دیکھا کرتی تھی گویا اس کے دل کی اسرار کو معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہر چند کہ وہ ستراجیت پور سے دور تھا۔ لیکن بلاشبہ شب و روز ایک ہی خیال رامچندر کے دل پر قابو جمائے رہتا ہوگا۔ اور کسی دوسرے خیال کی اس دل میں گنجائش نہ ہوتی ہوگی وہ خیال پردہٴ دل کی پری رخسار بیٹی نورین کلی کا تھا جس کے ساتھ سار دار نجن شادی کرنے والا تھا۔ نورین کلی رامچندر کا نورانی ستارہ تھی جس کی روشنی میں وہ اپنی زندگی بسر کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب وہ اس جہان میں دوبارہ اسکی شکل بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ کیونکہ اپنے وطن کو اسکی واپسی ناممکن تھی

ستراجیت پور میں معاملات رفتہ رفتہ اپنی اصلی صورت پر آتے گئے۔ اور لوگوں کو سار دارنجن کے قتل اور اس کے بڑے بیٹے کی اس طلوع ہونیوالے ستارہ کی پرستش میں فراری کا واقعہ فراموش ہو گیا ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ کاروبار زمینداری اور انتظام خانہ داری اب جادب چندر کے سپرد تھا لیکن یاد رہے کہ اب جادب نے اس ذمہ داری کے کام کو فوراً ہی بلا کسی اعتراض کے اپنے ہاتھ میں نہ لیا تھا حقیقت یہ ہے کہ جب پولیس اور عدالت کے کارندے۔ رام چندر کا جو جایداد کا حقیقی وارث تھا کچھ پتہ نشان نہ لگا سکے اور اس کے چھوٹے بھائی بوجہ اپنی طفولیت کے انتظام کرنے کے ناقابل پائے گئے۔ تو جادب نے رشتہ داروں اور ملازموں کے کہنے سننے پر مجبوری کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر شخص کو جادب کی دیانتداری اور راستبازی پر اعتبار تھا۔ ہر شخص اسکی شریفانہ بے غرضی اور اعلےٰ مقصد کا معترف تھا اور سب لوگ اسے کنبے کے مال و دولت کا محافظ

سمجھتے تھے۔ لوگوں میں یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ اس میں وہ تمام اوصاف اور خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جن کے باعث بھیشم پتامہ مشہور رہا تھا۔ سدانند تو کہ باگیشر ابھی تک ستراجیت پور ہی میں تھا اور اس کی حسین و مہ جبین نومین کلی بھی جو اب عالم شباب کو پہنچتی جا رہی تھی۔ اس کے پاس ہی رہا کرتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سار وار بخن مر چکا تھا اور رام چندر جو اس کا داماد بننے کا خواہشمند تھا۔ فرار ہو چکا تھا لیکن جادب چندر رائے مختلف ترغیبیں دے کر ستراجیت پور میں ہی رہنے کے لئے مجبور کرتا تھا۔ وہ اسکی بے حد عزت کرتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ بباعث اپنے بڑھاپے علمی فضیلت اور خانگی تعلقات کے وہ اس عزت کا حقدار بھی تھا۔ غرض سدانند اب تک اسی گھر میں تھا۔ اور اسکی عزت و حرمت اب تک ویسی ہی ہوتی تھی جیسی سار وار بخن کے وقت میں ہوا کرتی تھی۔

۶

ستراجیت پور کے پرانے چودہری خاندان پر تباہی لانیوالے سانحہ کو واقع ہوئے اب ایک سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ جادب چندر اب اس کنبہ کا سربراہ اور رام چندر کے چھوٹے بھائیوں کا محافظ تھا۔ نومین کلی تا حال کنواری ہی تھی۔ مگر اس کا والد شب و روز کسی اچھے بر کی تلاش میں لگا رہتا تھا۔ اس نے بہت سے جوان دیکھے۔ مگر ان میں کوئی بھی اس کے حسب پسند نہ ملا۔ آخرکار ایک روز خود جادب چندر نے نومین کلی سے شادی کرنے کی درخواست کی۔ یہ سچ تھا کہ وہ بذات خود چنداں مالدار نہ تھا۔ لیکن چونکہ اپنے ماموں کی جایداد کا منتظم تھا۔ اس لئے سوسائٹی میں اسکی خاصی وقعت تھی۔ علاوہ بریں ممکن تھا کہ وہ اس کام میں خاصی دولت کما سکے۔ جیسا کہ بہت سے لوگ قبل ازیں کما چکے تھے۔

سدانند بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنی بیٹی کو اس تجویز کی اطلاع دی اور کہا تم بڑی خوش نصیب ہو کہ جادب چندر جیسا شکیل جوان جو خاصہ مالدار ہے۔ تم سے شادی کی آرزو رکھتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اس تجویز سے نومین کلی بہت خوش ہوگی۔ لیکن آپ اسکی حیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جب اس نے استقلال لیکن نرمی سے جادب کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے والد نے بہت سی دلیلوں اور حجتوں سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ اس نے اسے دھمکایا بھی اور دلاسا بھی دیا۔ لیکن عبث وہ یہی کہے جاتی تھی۔ میں شادی نہیں کروں گی۔ میں شادی نہیں کر سکتی۔ اور میرے اس ارادہ میں بال برابر فرق نہیں آسکتا۔ اسکی طرف سے ذریک دلیل یہ پیش ہوتی تھی کہ جب ایک باعصمت و اکمکن سے میری شادی کی تجویز ہو چکی ہے۔ تو منو دھرم اجازت نہیں دیتا کہ اس کے بھائی سے شادی کروں۔ فی الحقیقت یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جسے فاضل تو کہ باگیشر بھی حل نہ کر سکتا تھا اور اس لئے وہ نومین

ہوگئی کہ اب میری بیٹی شاہی گھرانے میں ملکہ کی طرح راج نہیں کر سکتی جہاں ہر شخص اس کی عزت اور اطاعت کرتا اور وہ خوشی اور راحت کی چوٹی پر بیٹھی رہتی۔

جادب چندر نے موقعہ پا کر خود ہی نوبین کلی سے اظہار مدعا کیا اور گھر کی دوسری عورتوں سے بھی کروایا لیکن اس کی تمام کوششیں بیفائدہ ثابت ہوئیں۔ وہ خود سر لڑکی کسی کا کہنا نہ مانتی تھی۔ اور کوئی ترغیب اسے رضامند نہ کر سکتی تھی۔ اسی طرح کئی مہینے گذر گئے۔ اس گھرانے میں امن چین کا راج رہا۔ اور کوئی بات دیکھنے میں نہ آئی جس سے بدامنی یا اندرونی کدورت کا اظہار ہوتا۔ لیکن آخرکار ایک روز ایک عجیب واقعہ عمل میں آیا۔ جس سے سارے گھرانے میں ہل چل مچ گئی۔ علی الصباح دیکھا کہ نوبین کلی اپنے کمرے میں سے غائب ہے اور کوئی نشان اپنے پیچھے نہیں چھوڑ گئی۔

اب سے ۲۰ ماہ پہلے رام چندر کی گمشدگی ایک عجیب طریقے پر عمل میں آئی تھی۔ لیکن نوبین کلی اس سے بھی عجیب طریقے سے گم ہو گئی۔ وہ کسی سے کہہ نہ گئی تھی کہ میں کہاں جاتی ہوں۔ نہ کسی کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ کیونکہ گھر کے باقی مرد و عورتیں سب کے سب موجود تھے۔ اس حلیم۔ شرمیلی اور حیادار لڑکی کے متعلق بھلا یہ کیسے خیال آ سکتا تھا کہ وہ اس طرح اپنے باپ کی محافظت سے فرار ہو کر اپنے خاندان کے نام پر بٹا لگائیگی۔ علاوہ بریں کیا وجہ تھی کہ اس نے اس قسم کی چھچھوری اور شرمناک کارروائی کی جس سے ظاہر تھا کہ اسکی بیحد بدنامی ہوگی۔ اور کوئی شریف گھرانے کی عورت اس قسم کی بدنامی کو گوارا نہیں کر سکتی۔ فی الحقیقت اس کی یہ کارروائی اس کے خیالات فاسد کا پتہ دیتی تھی۔ ایسا کرنے کے بعد کیا وہ امید رکھ سکتی تھی کہ بھگوان مجھے معاف کر دے گا؟ خواہ کچھ ہی ہو کسی کو اسکی گمشدگی کی اصلی وجہ کا پتہ نہ تھا اور اس راز کے تاریک دامن میں کسی کو نگاہ دوڑانے کا یارا نہ تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک بھی زیور یا ایک بھی فالتو کپڑا سوائے اس لباس کے جو اس کے تن پر تھا نہ لے گئی تھی۔ اس سے سننے والوں کا استعجاب اور بھی زیادہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ کسی برے کام کیلئے فرار ہوتی۔ تو ضرور تھا کہ اپنے ساتھ زیورات لیجاتی لیکن چونکہ وہ اپنا گہنا پاتا سب کچھ پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ اس لئے خیال تھا کہ یا تو اسے کسی نے مجبور کر کے وہاں سے نکالا ہے۔ یا وہ خود اس وجہ سے فرار ہو گئی ہے کہ اس کے باعث آئے دن شادی کے بکھیڑے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ بہر نوع اسکی گمشدگی کی وجوہ جو کچھ بھی تھیں۔ وہ بمنزلہ ایک راز کے تھیں۔ اور کسی کو ان کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔

۷

نوبین کلی کو اس عجیب طریقے پر جس کا ذکر اگلی فصل میں ہو چکا ہے گم ہوئے ۵ سال گذر چکے

ہیں مگر ان میں بعض اوقات اس قسم کے خطوط میں آچکے ہیں جن کا ذکر کرنا اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے جا دب چندر کی شادی رامچندر کی بیگم سے ہو چکی تھی۔ اور اس طرح پر اسے کافی مال و اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔ رامچندر کے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک تو مر چکا تھا اور باقی دو سخت بیمار تھے۔ کوئی مرض انہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ اور ان کی شکلوں سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ اب وہ صحت حاصل کر کے کبھی چار پائی سے نہ اٹھ سکیں گے جادب کا ان پر بیحد دباؤ تھا۔ اور اب تک اپنے ماموں کی وسیع جایداد کا واحد منتظم وہی تھا۔

جادب چندر کی بیوی کملا کے گھر اس اثنا میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کی عمر اس وقت تین سال کے قریب تھی۔ اس بچے کی جس کا نام ستیش تھا۔ کچھ عجیب بھیانک شکل تھی۔ اس کے معمولی سے جسم پر ایک سالخوردہ شخص کا سر لگا ہوا تھا۔ جس کے بعض مقامات مرجھائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے۔ نہ صرف اس کا سر نسبتہً بہت بڑا اور گنجا تھا۔ بلکہ جو بات زیادہ عجیب تھی وہ یہ کہ شکل و شباہت میں بھی سار دارنجن رائے چودہری کے سر سے ملتا جلتا تھا۔ جب بچہ چپ سویا ہوا ہو۔ تو ہر شخص سرسری طور پر اس کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ وہ یقیناً اس عجیب و غریب مشابہت کو دیکھکر چونک پڑتا تھا۔

لیکن معاملہ یہیں تک ختم نہیں ہوتا۔ ستیش بعض اوقات اس قدر بے چین ہو جاتا۔ اور اس قسم کی علامات ظاہر کرنے لگتا تھا۔ کہ نہ صرف نوکر چاکر بلکہ اس کی ماں کملا بھی اسے دیکھکر خوف کھانے لگتی تھی۔ ایسی حالت میں وہ بچے کو پیار دلاسا دینے یا چھاتی سے لگانے سے بھی خوف کھاتی تھی اس بچے سے جادب چندر کا سلوک بھی عجیب قسم کا تھا۔ بعض اوقات تو وہ اس سے اس قدر محبت کرنے لگتا گویا کوئی سمجھے اس پر دیوانہ وار مفتون ہے .................

.................. لیکن بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ستیش سے بے حد نفرت کرتا ہے یعنی ایسی نفرت جو کسی حالت میں باپ اپنے بیٹے سے نہیں کر سکتا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کی زندگی کسی طرح پر سکھ چین سے نہیں گذرتی تھی۔ ان تکالیف کے علاوہ اسے ایک نہایت تکلیف دہ مرض ہو گیا۔ جسے ڈاکٹر اور بید یکساں طور پر لاعلاج قرار دیتے تھے مرض یہ تھا کہ اس کے دائیں ہاتھ پر رعشہ پڑ چکا تھا۔

بڑھا سدا نند شرما ملازم باگیش ہر چند کہ بڑھاپے اور کمزوری کے باعث کبڑا ہو چکا تھا۔ تاہم زندہ تھا۔ ستر جیت پور کے چودہریوں کی عظیم الشان حویلی میں اسے جو کمرہ ملا ہوا تھا۔ اب وہ اس میں سے نکلکر باہر بھی بمشکل آسکتا تھا۔

اپنی اکلوتی بیٹی نونیتا کی کھلے جس سے وہ بیحد محبت کرتا تھا۔ اس طرح گم ہو جانے کا اسے اسقدر

صدمہ ہوا کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکا۔ اور اسی غم میں بے حد نحیف و کمزور ہو گیا۔ وہ اب سٹھیا چکا تھا ہنوز ان عقل و تمیز اس کے اندر باقی نہ تھی اور یا تو کسی بات پر اس قدر طیش میں آتا تھا کہ سنبھالے نہ سنبھلتا تھا یا کئی کئی دن تک ایسی چپ سادھ لیتا تھا کہ کسی کے بلائے نہ بولتا تھا۔

ہمارے فسانے کے ایکٹروں کی یہ حالت تھی۔ کہ یکایک ایک جوگی کی آمد سے سارے گاؤں اور نواحات میں ایک قسم کی سنسنی سی پھیل گئی یہ عابد و پارسا شخص ہر چند کہ زہد و تقویٰ کے بہت سے مصائب جھیل چکا تھا تاہم اس کی ڈاڑھی سیاہ لیکن کسیقدر لمبی تھی اور سر پر لمبی لمبی جٹائیں تھیں۔ قد تاڑ کی طرح لمبا تھا۔ اور رنگت جو شاید کسی زمانے میں گوری ہوگی۔ اب دھوپ اور بارش میں بیٹھے عبادت کرتے رہنے سے گندمی سی ہو گئی تھی۔ لیکن آنکھیں بلا کی تیز اور روشن تھیں اور ان میں کچھ ایسا سحر موجود تھا۔ کہ بڈھا جوان امیر غریب خوش طبع اور سنجیدہ جو شخص بھی ان کی طرف دیکھتا۔ وہ اس جوگی کے ساتھ بیحد مانوس ہو جاتا تھا۔

## ۸

سترا جیت پور سے کوئی دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر پہاڑی تھی جہاں اس پہاڑی کی ایک گپھا میں اس جوگی نے اپنی رہائش اختیار کی۔

گپھا سے ہمارا مطلب ایک پراسرار غار ہے جس کے متعلق بعض نہایت بھیانک روایات مشہور تھیں اور یہی باعث تھا۔ کہ کئی نسلوں سے کوئی شخص اس کے اندر داخل نہ ہوا تھا۔ عام خیال یہ پھیلا ہوا تھا۔ کہ اس وقت سے بہت مدت پہلے وہاں ایک فقیر رہا کرتا تھا جس کے پاس پارس پتھر تھا۔ اور ایک لالچی دنیادار نے اس پتھر پر قبضہ کرنے کی نیت سے اس فقیر کو مار ڈالا تھا۔ یہ غار اتنا بڑا تھا۔ کہ اس میں کئی آدمی مل کر رہ سکتے تھے۔ لیکن اس فقیر کے قتل کے بعد کسی کو اس کے اندر جانے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ چند آدمی اس غار کے پاس سے قریب راتوں کو دھونی کی طرح آگ جلتی دیکھ چکے تھے اور ایک شخص تو یہ بھی کہا کرتا تھا کہ میرے والد نے اس فقیر کو سمادھی لگائے بیٹھا دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اشخاص یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے آدھی رات کو وہاں سے عجیب عجیب آوازیں نکلتی سنی ہیں۔

اب اس پراسرار غار میں جس سے ہر شخص خوف کھاتا تھا۔ اس جوگی نے اپنی رہائش اختیار کی وہ زیادہ گفتگو پسند نہ کرتا تھا۔ اور نہ ارد گرد کے گاؤں میں بھکشا مانگنے جایا کرتا تھا۔ وہ ایک عجیب آدمی تھا اور اس کی ہر بات عجیب تھی۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ وہ زیادہ گفتگو نہ کرتا تھا۔ لیکن جب ایکبار اسکی زبان کھل جاتی تو وہ گھنٹوں مختلف مجلسی اور مذہبی امور پر بحث کرتا رہتا تھا۔ ایسے موقعوں پر جو الفاظ اس کی زبان سے نکلتے۔ وہ غور و خوض کا نتیجہ اور دانائی سے معمور ہوتے تھے۔ فی الحقیقت

اسکی گفتگو کے الفاظ کبھی ضرورت سے زیادہ نہ ہوتے تھے۔ اور ان کے معانی کی یہ حالت تھی۔ کہ کوئی انہیں مختصر کرنے کی کتنی ہی کوشش کرے کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ وہ بڑا زبردست بحث کرنیوالا تھا۔ اور جو شخص اس کے علم کا امتحان مدنظر رکھکر اس کے پاس جاتا۔ وہ منٹوں میں اسے نیچا دکھا دیتا تھا۔

اس کے اصول نہایت پختہ اور دلایل نہایت زبردست ہوتی تھیں۔ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ثابت ہو کہ وہ ایک بناوٹی ڈھنگ یا دھوکے باز فقیر ہے۔ بہت جلد نواحات میں اس کا نام مشہور ہو گیا۔ اور لوگوں میں اس بات کا چرچا تھا۔ کہ وہ لاعلاج امراض کو دور کرنے کی خاص طاقت رکھتا ہے اور ایسے ایسے کرشمے دکھاتا ہے جن سے عقل انسانی دنگ رہجاتی ہے۔

کبھی کبھی لوگوں کو یہ دیکھکر حیرت ہوتی تھی۔ کہ ایک جوگن بھی اس کے پاس بیٹھی رہا کرتی تھی۔ جو اس جوگی کی طرح عین عالم شباب میں بلکہ اس سے بھی نوعمر تھی۔ وہ خط وخال میں موزون اور بیحد حسین تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ وہی سبز پری ہے۔ جسے راجہ اندر نے پر نچوا کر اپنے دربار سے نکلوا دیا تھا اور اب اپنے پیارے گلفام کی تلاش میں جوگن بنی پھرتی ہے۔ اس کے حرکات وسکنات میں ایک عجیب رعنائی تھی۔ لیکن باین ہمہ وہ نہایت حلیم معلوم ہوتی تھی۔ اور چہرہ ظاہر کرتا تھا۔ کہ غور وخوض کرنے کی عادی ہے۔

وہ صرف گاہ بگاہ اس جوگی کے پاس بیٹھی نظر آتی تھی اور کوئی نہ جانتا تھا۔ کہ وہ کہاں اور کب سے رہتی ہے۔ فی الحقیقت اسکی شخصیت ایک راز تھی۔ لیکن ایک عجیب بات یہ تھی کہ جب کبھی کسی گھر میں مصیبت یا بیماری نازل ہوتی۔ تو وہ بلا طلب مریض کو تسلی دینے یا محتاجوں کو تسکین دینے ان کے گھروں میں چلی جاتی تھی۔ اسکی ہر بات شکر ریز اور سحر آمیز ہوتی تھی۔ اور ساری خلقت اسے تمام خوبیوں کا مجموعہ سمجھتی تھی۔ دنیا میں اس کا اعلےٰ ترین مقصد مریضوں کی نگہداشت کرنا۔ اور وہ جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوں انہیں سلامتی کے کنارے پہنچانا معلوم ہوتا تھا۔

یہ بات کہ یہ پراسرار جوڑا کون تھا اور کہاں سے آیا۔ کسی کو معلوم نہ تھی۔ لیکن لوگوں کا ان پر اس قدر اعتبار جما ہوا تھا۔ کہ سینکڑوں لوگ اس غار میں جاکر ہر معاملے کے متعلق جوگی سے رائے مشورہ لیا کرتے تھے۔ جوگی جی کی شہرت بہت جلد تمام اطراف میں پھیل گئی حتیٰ کہ چودھری خاندان کے زنانخانے میں بھی اسکی خبر جا پہنچی۔ جادب چندر کی بیوی کملا ایک نہایت صادق اور دیندار بیوی تھی وہ حلیم وشریف حیادار وحسین اور نیک خیال و نیک اطوار تھی۔ رفتہ رفتہ اسے بھی جوگی جی کے درشنوں کا شوق پیدا ہوا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اپنے شوہر کی منظوری یا اس کے علم کے بغیر وہ گھر سے باہر نہ جاسکتی تھی۔ اس نے بارہا اس بارے میں اس سے اجازت طلب کی۔ لیکن جادب اسے

جواب دینے میں تامل کرجاتا تھا۔ اس تامل کی وجہ اس بیچاری کو معلوم نہ تھی۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ گو جادب بظاہر اسے بہت پیار و محبت کرتا تھا۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل میں کوئی ایسا راز موجود ہے جسے ظاہر کرنے کی وہ جرات نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ راز کیا تھا۔ اس کا کملا بیچاری کو مطلق علم نہ تھا۔ اسطرح پر ہر چند کہ کملا کا خیال ہر وقت اپنے شوہر کی طرف لگا رہتا تھا۔ ہر چند کہ اس کا دل ایک آئینہ تھا جس میں سے جادب جو بات چاہے دیکھ سکتا تھا۔ تاہم اس کے شوہر کی یہ حالت نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ اس کے تمام خیالات کملا ہی کی طرف نہ لگے رہتے تھے اور دونوں میں صرف اسی قدر اختلاف تھا

## ۹

اسی طرح پر کئی مہینے گذر گئے۔ ایک موسم جاتا اور اس کے بعد دوسرا آتا رہا۔ لیکن قانون قدرت ایسا زبردست ہے کہ اس تسلسل سے باوجود قدامت کے موسم کی شدت میں کبھی فرق نہیں آسکتا۔ موسم گرما کے بعد خزاں آئی اور خزاں کے بعد جاڑا۔ درختوں کے پتے جھڑ گئے اور سرد ہوائیں چلنے لگیں پہاڑیوں پر شدت کا کہرا پڑنے لگا۔ اس حالت میں لوگوں نے جوگی جی سے پے درپے درخواستیں اس مطلب کی کیں کہ آپ سرد غار کو مستقل نہیں تو عارضی طور پر ہی چھوڑ کر گرد و نواح کے کسی مکان میں اقامت گزین ہو جائیں جہاں نسبتہً سردی کم ہوگی۔ لیکن جوگی جی استقلال لیکن حلم کے ساتھ انکار ہی کرتے رہے انہوں نے لوگوں کو یہ کہکر ٹال دیا کہ فقیروں کے لئے سردی و گرمی سب کچھ یکساں ہے ہم جب دنیا کے تمام سکھ ترک کر چکے تو اب سردی سے پناہ ڈھونڈھنا کیا معنی رکھتا ہے۔

غرض انہی ایام میں جبکہ کڑکڑاتی سردی پڑ رہی تھی جادب نے کملا کو بہت سے لیت ولعل کے بعد جوگی جی کے درشنوں کی اجازت دی۔ لیکن کملا کا جانا کسی معمولی شخص کے جانے کے برابر نہ تھا۔ یوم معینہ کو حکم دیدیا گیا کہ گاؤں کا کوئی اور شخص جوگی جی کے پاس نہ جانے پائے جادب چونکہ اہل دیہہ پر بڑا رسوخ تھا۔ اور کسی کو اس کے حکم سے سرتابی کی مجال نہ تھی۔ اس روز صبح کے وقت چند پالکیاں منگوائی گئیں اور کملا معہ اپنی باندیوں کے پہاڑ کی طرف سوار ہوکر چلی۔ ان پالکیوں کے ہمراہ کملا اور اسکی باندیوں کے علاوہ بہت سے نوکر۔ پایک۔ دربان وغیرہ بھی تھے۔ کملا کا لڑکا ستیش بھی اس کے ساتھ تھا۔ ایک گھنٹے کے عرصہ میں یہ جلوس جوگی کی کٹی کے قریب پہنچ گیا اور جوگی جی خود ان کے استقبال کو گپھا سے باہر نکلے۔

کملا نے جوگی جی کے ساتھ بہت دیر تک گفتگو کی جس کے دوران میں اس نے اپنے شوہر معزور اور مجذوب بھائیوں اور اپنے بیٹے کے مختلف امراض کا ذکر کیا اور دوائیں طلب کیں جن سے انہیں فائدہ حاصل ہوسکے

جوگی جی نے دوائیں دینے کا وعدہ تو کیا۔ لیکن بعض شرطیں ایسی کڑی لگا دیں۔ جن کا پورا کرنا کچھ سہل نہ تھا۔ انہوں نے کہا میں چونکہ عہد کر چکا ہوں کہ زندگی بھر کسی گرہست کے مکان میں داخل نہ ہونگا اسلئے ضروری ہے کہ جادب اور رام چندر کے بیمار بھائی خود میرے پاس اس جگہ آئیں۔ اس موقعہ پر کملا نے عرض کیا کہ جادب کو اگر یہاں آنے پر مجبور کرنے میں کامیابی بھی ہو گئی۔ تو ان لڑکوں کو تو کسی صورت میں یہاں لانا ممکن نہیں۔ کیونکہ زم بخار نے ان کی یہ حالت بنا رکھی ہے کہ وہ چارپائی سے اٹھ ہی نہیں سکتے۔ اس پر جوگی جی نے ایک سفید سا سفوف جو کسی چیز کی راکھ معلوم ہوتی تھی۔ نکالکر کملا کو دیا اور کہا کہ اس کے کھلانے سے ان لڑکوں کا بخار اتر جائیگا۔ مگر ان کا اصلی عارضہ اس سے دور نہ ہوسکیگا۔

اتنی باتیں کر کے کملا معہ نوکروں چاکروں کے اپنے گھر کو واپس چلی آئی۔

## ۱۰

جوگی جی کی خدمت میں کملا کے حاضر ہونیکے پندرہ دن بعد اس پُر اسرار غار کے سامنے خلقت کا ایک بہت بڑا ہجوم جمع ہوا۔ سینکڑوں ہزاروں لوگ ہر طبقے اور ہر عمر کے جن میں مرد اور عورتیں شامل تھیں۔ تمام اطراف سے جمع ہوئے۔ آخر اس اجتماع کا باعث کیا تھا؟

ناظرین کو شاید یہ بات یاد ہوگی۔ کہ جوگی جی نے کملا کو ایک چٹکی راکھ کی اس غرض سے دی تھی۔ کہ اس سے رامچندر کے دونوں بھائیوں کی پوشیدہ بیماری جو انہیں گھن کیطرح کھاتی جارہی تھی۔ اگر بالکل دور نہ ہوجائیگی۔ تو کم از کم رُک ضرور جائیگی۔ اس راکھ کی چٹکی نے معجزنما اثر کیا۔ کیونکہ دونوں لڑکوں کا بخار دور ہوگیا۔ اور ان کی صحت نسبتاً اچھی حالت میں نظر آنے لگی۔ جادب چندر بھی جوگی جی کی خدمت میں حاضر ہونیکا وعدہ کر چکا تھا۔

یوم مقررہ کو بہت سے لوگ پالکیوں میں سوار ہو کر اس غار کیطرف روانہ ہوئے۔ ساتھ ساتھ بیسیوں خدمتگار اور نوکر چاکر تھے۔ پالکیوں میں علاوہ جادب چندر کے اس کی بیوی اس کا بیٹا۔ رامچندر کے دونوں بھائی کھابائی۔ بڈھا سدانند۔ ترک باگیش اور چودھری خاندان کی قریب قریب ساری مستورات تھیں۔ ان کے علاوہ نواحات کے اور بھی بہت سے زمیندار معہ اپنے نوکروں چاکروں کے آئے ہوئے تھے۔ اور اس طرح یہ ہجوم بہت بڑھ گیا تھا۔ لیکن باوجود آدمیوں کی اس بھیڑ بھاڑ کے ہجوم میں بے انتہا باقاعدگی پائی جاتی تھی۔ دھکم بازی۔ غل غپاڑے نعروں اور چیخوں کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ سب لوگ دم بخود جوگی جی کے منتظر تھے۔ جنہوں نے ان سب کا علاج کرنیکا وعدہ کیا تھا۔ لیکن یہ علاج کیا ہوگا۔ اس بات کا کسی کو بالکل خیال تک نہ تھا۔ سب کا خیال یہی تھا

کہ علاج کا کوئی عجیب غریب طریقہ دیکھنے میں آئیگا جس میں فوق الفطرت باتوں کا بہت بڑا حصہ ہوگا!

قریباً ۹ بجے کا وقت تہا جبکہ جوگی جی اپنے غار سے باہر نکلے۔ انہوں نے حسب معمول جوگیا کفنی گلے میں پہنی ہوئی تھی۔ اور ایک ہاتہ میں کمنڈل اور دوسرے میں ترسول تہا۔ نہایت اطمینان و سنجیدگی کے ساتہہ انہوں نے آہستگی شان اور فقیرانہ سطوت سے اس ہجوم پر نگاہ دوڑائی۔ ان کے مردانہ اور مطمئن چہرہ پر جوش یا خوشی کی کوئی علامت موجود نہ تھی۔ البتہ افسوس اور رنج کی ایک ہلکی سی جہلک اس میں ضرور پائی جاتی تھی۔

جوگی جی کے سامنے آتے ہی چہوٹوں بڑوں۔ بڈہوں اور جوانوں اور مرد اور عورتوں نے نہایت عجز و انکسار کے ساتہہ ڈنڈوت کی وہ نظارہ واقعی دلفریب تہا جب جوگی جی نے اپنا ہاتھ اٹہاکر ان سب کو اشیرباد کہی جب یہ رسم ختم ہو چکی تو سب لوگ اٹھ کہڑے ہوئے اور دونوں ہاتہہ جوڑکر جوگی جی کے مدہر بچن سننے کے منتظر رہے۔

چند منٹ کے توقف کے بعد جوگی جی نے ایک نہایت سریلی لیکن کسیقدر بہاری آواز میں جو کیسا صفائی کے ساتہہ سب کو سنائی دیتی تھی کہنا شروع کیا " پترو اور پتریو تم جانتے ہو تمہارے اس جگہ جمع ہونیکا مطلب کیا ہے؟ تم یہاں پر غالباً کوئی معجزنما علاج دیکھنے کے لئے جمع ہوئے ہو اور اس بارہ میں تمہارا خیال چنداں غلط بہی نہیں ہے۔ لیکن تمہیں یاد رکہنا چاہئے کہ عنقریب ایک ایسی بات ظہور میں آنے والی ہے جو تمہارے معمولی علاج سے زیادہ دلچسپ اور سنسنی خیز ہے۔ عنقریب ایک نہایت تاریک راز سے پردہ اٹہایا جانیوالا ہے اور تم میں سے جس جس شخص نے کسی دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان سب کے ساتہہ ایسی دم انصاف ہونیوالا ہے "۔

جوگی جی یہ الفاظ کہتے ہوئے رک گئے۔ اور انہوں نے اس ہجوم پر چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن کسی خاص شخص پر اپنی نگاہ قایم نہیں رکھی۔ خدا جانے ان الفاظ میں کیا اسرار تھا کہ اس گروہ میں ایک شخص کے چہرے پر ہوائیاں چھٹنے لگیں اور اس پر لاش کی سی مردنی چہا گئی۔ یہ چہرہ کس شخص کا تہا اسکی نسبت ہم سر دست کچھہ بیان نہیں کرینگے۔ کیونکہ عنقریب یہ بات خود بخود معلوم ہو جائیگی۔

چند منٹ کے توقف کے بعد جوگی جی نے پہر کہا " کچھہ عرصے سے ہمارے دوست بابو جادب کے دہنے ہاتہہ پر رعشہ پڑ چکا ہے۔ میں نے اس کا علاج کرنیکا وعدہ کیا ہے اور اس وعدہ کو ضرور پورا کروں گا۔ لیکن ایک شرط ایسی ہے۔ جسے بابو صاحب کو بھی پورا کرنا چاہئے۔ ان کا فرض ہے کہ جو جو سوالات میں پوچھوں۔ ان کا نہایت صحت سے جواب دیتے جائیں۔ آئیے بابو صاحب

میری طرف کو آئیے۔"

جادب چندر جوگی جی کی طرف بڑھا۔ اور ان کے قدموں کو چھو کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ جوگی جی نے اس کے دائیں پہلو پر چند مسمریزم کے جھاڑے دیئے۔ اور اس سے پوچھا "کیا آپ کو اپنے اندر کچھ احساس ہوتا ہے؟"

جادب چندر:۔ روشنی سراج ہوتا ہے۔

جوگی جی:۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ کے دل میں جو خیالات اس وقت گذر رہے ہیں ان سے اس عظیم الشان مجمع کو خبردار کیجئے

اس کے بعد ایک خوفناک خاموشی چھا گئی۔ ایسی کہ ایک پن کے گرنے کی آواز بھی بخوبی سنی جا سکتی تھی۔ ہر شخص جادب چندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اس بات کے انتظار میں تھا کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دیتا ہے۔ لیکن وہ بت کی طرح خاموش کھڑا تھا۔ جوگی جی نے اپنے سوال کو چند مرتبہ دہرایا تو آخر کار وہ بولا "تمہارا کر دلی خیالات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

جوگی جی:۔ یہی کہ اس وقت تمہارے دل میں کیا خیالات گذر رہے ہیں۔"

جادب چندر:۔ میرے دل میں تو اس وقت یہ خیال گذر رہا ہے کہ تجھ شیطان کو اس سارے مکرو فریب کا مزا چکھانا چاہیے۔

"ہرے رام ہرے رام" یکایک یہ آواز چاروں طرف سے گونجنے لگی۔ کیونکہ عام طور پر لوگ جوگی جی کے حامی تھے اور ان سخت الفاظ کو سنکر ان کے دل میں جادب چندر کے خلاف ایک قسم کا غصہ اور جوش پیدا ہو گیا تھا۔

جس وقت لوگوں کا شور و غل کم ہوا۔ تو جوگی جی نے نرمی سے فہمائش کرتے ہوئے کہا "جادب سچ بولو۔ اور اپنے جرم و گناہ کے بوجھ کو بہانہ سازی اور فضول الفاظ کے ذریعے بڑھانے کی کوشش نہ کرو"

جادب چندر:۔ بدمعاش فقیر کیا تو کسی جرم کو مجھ سے منسوب کرتا ہے؟ کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں ایک مجرم ہوں؟"

جوگی جی:۔ مجھے سچی اور انصاف کی کوئی بات کہنے میں خوف نہیں۔ ممکن ہے۔ میں ایک کامل فقیر نہ ہوں لیکن کم از کم دغاباز نہیں ہوں مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم دلایل کی طرف توجہ نہیں۔ یہ سب [illegible] ں سے زبردست اپنے جرایم کا اقبال کر کے ان کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتے ہو۔ خیر اب میں اپنا سوال دوسری صورت میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا یہ تو بتاؤ۔ کہ ساردا رنجن کیونکر اور کس لئے مرا تھا؟

جادب چندر:- میرے قابل تعظیم ماموں۔ ایک روز صبح کے وقت اپنے بستر پر مقتول پائے گئے تھے۔ ان کا گلا ایک استرے کے ذریعہ بہت بری طرح کٹا ہوا تھا۔ اور یہ استرا آخرکار میرے بدنصیب رشتہ دار رامچندر کے پلنگ کے نیچے پڑا ہوا ملا تھا۔ اے مکار سنیاسی یہ بات ہر خاص و عام کو معلوم ہے اور اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کہ اتنی مدت۔ بعد تو اس سے متعلق تحقیقات کرنے بیٹھتا۔ اس سے پہلے پولیس سارے معاملے کے متعلق چھان بین کر چکی ہے۔ گو میں اپنے دل میں رامچندر کو خطاوار نہیں سمجھتا۔

جوگی جی:- اگر رامچندر مجرم نہ تھا۔ تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ اور کون تھا؟

جادب چندر:- یہ بات اگر مجھے معلوم ہوتی۔ تو میں کب کا اس شخص کو پولیس کے حوالے کر چکا ہوتا۔ اور تمہیں اس ہدایت کا موقع ہی نہ دیتا۔

جوگی جی:- لیکن میں کہتا ہوں کہ تو سب بات جانتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ صاف صاف کہدے۔ دیکھ انصاف کبھی دھوکا نہیں کھائیگا

جادب چندر:- اے ریاکار جوگی۔ تو کیا بک رہا ہے۔ کیا تو نے میرا قیمتی وقت اس قسم کی فضول باتوں میں ضایع کرنے کی ٹھان رکھی ہے۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ جس مرض کو دور کرنے میں بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر ناکام رہے اس کیلئے تجھ ایسے گمنام پاکھنڈی سادھو پاس جانا قطعی لاحاصل ہے۔

جوگی جی نے چند منٹ تک اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے خلا میں چند ایک اور جالے دیئے اور نہایت تیش یعنی وہی بدصورت بچہ جس کے چھوٹے سے جسم پر سارداریجن کا عمر رسیدہ سر لگا ہوا تھا دوڑتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔ اسے اپنے بازوؤں میں اٹھا کر جوگی جی اس ہجوم سے جو وہاں جمع تھا۔ مخاطب ہو کر کہنے لگے" میں جادب بابو کی زبان کھلوانے میں ناکام رہا۔ لیکن اب میں ساری سچی سچی بات اس بچے کی زبانی جو سارداریجن کی روح اپنے اندر رکھتا ہے اور جس کے راست خیالات میں ابھی اس جھوٹی دنیا کے زہر کی آمیزش نہیں ہوئی سنونگا۔ آپ لوگ اس کے چہرے کو دیکھئے۔ کیا وہ ہر بات میں مرحوم سارداریجن سے مشابہ نہیں ہے؟ یہاں تک کہ اس کا سر گنجا تھا۔ تو اس کا بھی گنجا ہے۔ بلاشبہ یہ مشابہت نہایت عجیب اور حیرت خیز ہے اور تم دیکھ سکتے ہو کہ اس میں پرماتما کا غیبی ہاتھ موجود ہے کوئی بناوٹی فقیر کوئی انسان اس قسم کی نقل نہ اتار سکتا تھا"

ان الفاظ کو سنکر لوگوں میں ایک طرح کا سناٹا چھا گیا۔ لیکن ساتھ ہی دو چہروں پر مختلف بواعث سے ایک زردی چھا گئی۔ آخرکار اس خاموشی کو جوگی جی کی ملیم لیکن سنجیدہ آواز نے توڑا۔ انہوں نے بچہ بلکو فرش پر کھڑا کر لیا اور اس سے پوچھنے لگے۔

"بچہ کیا تو جانتا ہے۔ تیرے باپ کا ماموں کیونکر مرا تھا؟" جادب چندر کے بدصورت بیٹے نے توتلی زبان سے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔"

جوگی جی!۔ کیا تو ساری کیفیت ہمارے روبرو بیان کریگا؟

"بچہ۔ رات کا وقت تھا۔ آسمان پر ہرطرف سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور خوفناک سناٹا چھیلا ہوا تھا۔ ایک بھی ستارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ نہ چاند کہیں نظر آتا تھا۔ میں اپنے کمرے میں نہایت اضطراب اور بے چینی کی حالت میں سو رہا تھا۔ میری عادت تھی کہ دروازے کو قفل یا زنجیر نہ لگاتا تھا اس لئے جو شخص چاہے کواڑوں کو دھکیل کر اندر داخل ہو سکتا تھا۔ کمرے میں بالکل تاریکی نہ تھی۔ کیونکہ میرے پلنگ کے نزدیک ایک چھوٹی سی میز پر موم بتی جل رہی تھی۔ یکایک میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی شخص ہاتھ میں کچھ لئے دبے پاؤں اندر داخل ہو رہا ہے۔ گو شمع کی مدہم سی روشنی میں میں معلوم نہ کر سکا کہ وہ چیز کیا تھی۔ وہ چپ چاپ میرے پلنگ کے قریب پہنچا اور پھر ......"

بچہ ابھی کچھ اور کہنے نہ پایا تھا کہ جادب چندر گھبرا گیا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایک وحشیانہ اور خوفناک چمک موجود تھی اور آواز اس طرح بھاری ہو رہی تھی۔ گویا اس کا گلا بیٹھا ہوا ہے۔ جہاں پر ستیش نے فقرے کو چھوڑا تھا۔ وہیں سے اسے شروع کرکے وہ کہنے لگا "پھر میں نے کہا لے جابر تو اس موت مر جس کا تو مستحق ہے۔ اتنا کہکر میں نے اپنے ماموں کا گلا دبایا اور جلد جلد اس پر بستر اچھیر دیا۔"

یہ الفاظ کہتے ہوئے پاگل باپ نے جوش میں آکر ستیش کا گلا بڑے زور سے دبایا۔ گویا وہ سمجھتا تھا کہ خود سار دارنجن ہی ہے جو مرتیو لوک سے اپنا قصہ سنانے کے لئے اس دنیا میں آگیا ہے۔ اس وقت حاضرین کے جذبات جو کچھ بھی ہونگے۔ ان کا اندازہ خود ناظرین لگا سکتے ہیں۔ کملا بیچاری ماتا کی ماری بے تحاشا اپنے شوہر کیطرف دوڑی۔ اس نے اس وقت اپنے ذاتی اعزاز یا پردے تک کا بالکل خیال نکیا اور جاکر اپنے بچے کو جادب کی زنبور جیسی گرفت سے چھڑا لیا۔

جادب کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا اور اس کی مٹھیاں مارے جوش کے بند تھیں۔ لیکن وہ اسی حالت میں کہتا گیا "اس کمزور جسم کو جو پہلے ہی سے موت کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا ٹھکانے لگانے میں چنداں دیر نہیں لگی۔ لیکن مرتے وقت اس نے مجھے جو بددعا دی وہ اب تک میرے پیچھے لگی رہی اور آخرکار مجھ پر غالب آگئی ہے۔ افسوس! افسوس!! خون سے تر بتر وحشیانہ حالت میں میں چپ چاپ دبے پاؤں کمرے سے نکلا اور تاریکی میں راستہ ٹٹولتا ہوا امرچندر کے خالی کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت کوئی شکل چھایا کی طرح میرے پاس سے گذر گئی۔ جسے اس تاریکی میں میں شناخت نہ کر سکا۔ میں نے اس بات کے جاننے کی پروا نہیں کی

کہ وہ انسان ہے یا کوئی روح — میں سیدھا کمرہ کے اندر داخل ہوا۔ اور بستر کے قریب پہنچکر میں نے خون سے بھرا ہوا استرا اس کے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔ جس کے بعد پھر اسی طرح چپ چاپ باہر نکل آیا۔"

وہ کہتا کہتا رک گیا۔ اور اسکے جسم بھیگی گائے کی طرح کانپ اٹھا۔ ٹھیک اسی وقت غار کے اندر سے کسی عورت کی شکل نکلتی ہوئی دکھائی دی۔ جو جوگی جی کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ یہ وہی جوگن تھی۔ جس کا نام تمام علاقہ میں ہر شخص کی زبان پر چڑھا تھا۔ اسے دیکھکر پہرے سے جھک کر ڈنڈوت کی اور جوگن نے ان کو آشیرباد دی۔ اتنے میں جوگی جی اس کی طرف دیکھکر بولے "بہن تو اس مجمع کے روبرو کس لئے آئی ہے؟" جوگن نے اس منتظر ہجوم پر ایک تیز نگاہ ڈالکر جواب دیا۔ "اپنی شہادت اور انصاف اور صداقت کے کام میں مدد دینے۔ میرے بچو۔ تم نہیں جانتے۔ میں کون ہوں۔ لیکن میں ابھی تمہیں اپنی حقیقت سے باخبر کر دوں گی۔ میں وہی روح ہوں۔ جسے قاتل نے رامچندر کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں اس تمام خرابی کی جڑ ہوں۔ جو سترجیت پور کے چودھری خاندان پر نازل ہوئی ہے۔ میں وہی بدنصیب نوبین کلی ہوں۔ جسے رامچندر اور اس کا والد سار دارنجن دونوں بیاہنا چاہتے تھے۔ اے صاحبو! صرف میری خاطر سے شریف رامچندر نے جو فی الحقیقت راجپوتی تاریخ کا زمانہ حال کا چاند ہے اپنے والد کے گھر کو چھوڑا اور راجودھیا کے رامچندر جی کی طرح جان بوجھکر بن باس اختیار کیا۔"

"نوبین کلی۔ نوبین کلی! اے میری آنکھوں کی روشنی! کیا تو آخر کار لوٹ آئی ہے؟" یہ الفاظ کہتا ہوا بڈھا سدانند اپنی لاٹھی کے بل پھدکتا اپنی لڑکی کی طرف بڑھا۔ لیکن اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے پیچھے کی طرف ہٹا دیا اور کہنے لگی۔

"اے باپ اب میں تیری بیٹی نہیں رہی اب میں اس کی ادنےٰ خادمہ ہوں جو اس تمام دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ لیکن خیر مجھے اپنی کیفیت بیان کر لینے دو۔

"صرف میری خاطر سے جادر نجن نے اپنے ماموں کے خون سے ہاتھ رنگے جس نے اسکی پرورش کی تھی اور جو اسے اپنے رامچندر سے عزیز سمجھتا تھا۔ اس بدنصیب نے سوچا کہ اگر میں سار دارنجن کو رستے میں سے دور کر دونگا اگر میں اس بھیانک جرم کو غیر حاضر رامچندر سے منسوب کرنے میں کامیاب ہو جاؤنگا۔ تو پھر سترجیت پور میں میری ہی پوری حکومت ہوگی۔ میں نوبین کلی کو اپنی بیوی بناؤنگا اور وہ میر گنا ہوں سے کمائے ہوئے روپے کی حصہ دار ہوگی۔ لیکن جب اس نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ تو میں نے انکار کر دیا۔ میرا دل میرے [illegible] نہ تھا کہ میں اسے جس شخص کو جی چاہتا دیدیتی وہ تو رامچندر کے قبضہ میں تھا اور اسی کا ہو چکا تھا۔ میں نے اسکی درخواست رد کر دی۔ اور اس کے بعد ........"

جادب چندر نے نامکمل فقرے کو خود پورا کرنیکے خیال سے کہنا شروع کیا "اس کے بعد ایک رات میں تمہارے کمرے میں گھس گیا اور تمہاری عصمت بگاڑنے کی نیت سے تمہارے پلنگ پر پہنچا۔ اے نوبین کلی تم اس وقت گھوک سو رہی تھیں۔ میں نے وحشیانہ طور پر تمہاری پاکبازی کے پھول کو توڑ لیا اور عفت وعصمت کا جو ہار تمہاری پیشانی پر زیب دیتا تھا اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیا۔۔۔۔۔۔۔اس اثنار میں تمہاری آنکھ کھل گئی اور تم نے چیخ مارنی چاہی میں نے تمہارا منہ بند کردیا۔ لیکن جب میرا جنون فرو ہوا۔ تو میں نے تم سے کہا کہ اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ بہتر ہے کہ اس راز کو چھپا رہنے دو اور میری بیوی بننا منظور کرو۔ اس سے اگلی صبح کو تم معدوم پتہ ہو گئیں۔ میں جانتا تھا کہ تمہارے اس طرح گم ہو جانیکا باعث کیا ہے۔ لیکن یقیناً میں ان بات کو سب کے روبرو بیان نہ کرسکتا تھا۔ ہر چند کہ میرے کرتوت سے تمہارا جسم ناپاک ہو چکا تھا۔ لیکن خیالات برابر پاکبازی کے تھے۔ اس حالت میں تم ایک بیچارنی۔ ایک فقیرنی بنکر اس گھر سے نکل گئیں۔"

وہ رُک گیا اور جس طرح طوفان کے وقت سمندر میں لہریں اٹھتی ہیں۔ اس طرح اس وسیع ہجوم میں جنبش پیدا ہوئی۔ ہر ایک آنکھ سے وحشت ٹپکی پڑتی تھی۔ کوئی جسم نہ تھا جس کے اندر خون گرم شراب کی طرح جوش نہ مار رہا ہو۔ لیکن جونہی جوگی جی نے لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی وہ اضطراب بالکل رفع ہو گیا۔ آخر کار جوگی جی بولے "اے بدنصیب شخص تیرے جرایم کا سلسلہ افسوس کہ یہاں پر بھی ختم نہیں ہوتا"

جادب بولا "بیشک نہیں ہوتا نہیں ہوتا۔ میں نے تمہارے ایک بھائی کو زہر دیکر مار ڈالا اور دوسروں کے ساتھ بھی یہی سلوک کر رہا تھا۔ کہ تمہاری منحوس صورت یہاں نظر آگئی"

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بلکہ سبز زمین پر مٹی کے بت کیطرح گر پڑا اس کا جسم بےحد زرد ہو رہا تھا۔

# خاتمہ

جس وقت جادب چندر اپنے آپ کو اپنے ماموں کا قاتل نوبین کلی کی عصمت خراب کرنیوالا اور رامچندر کے بھائیوں کی جانیں لینے کا ارادہ رکھنے والا بیان کر چکا۔ تو وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑا اس کا جسم مٹی کی مانند تھا اور وہ نہ بول اور نہ حرکت کرسکتا تھا۔

وہ سبز زمین پر رامچندر کے پاؤں کے قریب چت گرا ہوا تھا۔ اس کے گرتے ہی اسکی حسین اور وفادار بیوی کملا اس کے قریب دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور اپنی ساڑھی کے ایک سرے سے اسے پنکھا کرنے لگ گئی۔ گویا وہ سمجھتی تھی۔ کہ میرے ہوا کرنے سے وہ زندہ ہو جائیگا۔ اس کے زرد رخساروں پر آنسو گرم جلانیوالے آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ ایک دو بار اس نے اپنی آنسوؤں سے تر آنکھیں

جوگی راجچندر کے مطمئن اور صاف چہرے کی طرف اٹھائیں۔ اسے خیال تھا کہ اس کے چہرے پر سختی اور خشونت کے آثار ہویدا ہوں گے۔ مگر نہیں اس کی رحم سے بھری ہوئی مطمئن فیاض اور تلطف آمیز نگاہ سے پھر اس کی ڈھارس بندھ گئی۔ وہ اپنے خاوند کے پہلو سے اٹھکر راجچندر کے پاؤں کے قریب جس سے کسی زمانہ میں وہ منسوب ہو چکی تھی دوزانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے پھول جیسے نازک ہاتھوں میں ان بھبھوت ملے ہوئے پاؤں کو پکڑ لیا۔ گو وہ زبان حال سے التجا کر رہی تھی کہ اس کے شوہر کی جان بخشی کی جائے۔ وہ فطرتاً ایک حلیم اور شرمیلی عورت تھی۔ لیکن اب جبکہ اس کی چھاتی رکے ہوئے جذبات کے باعث خشمناک سمندر کی طرح ہل رہی تھی۔ ایک لفظ بھی اسکی زبان سے اس شخص کی حمایت میں نہ نکل سکا جو خوشی و غمی صحت و بیماری نیکی اور بدی اور اس دنیا اور عاقبت میں اس کا واحد آقا تھا۔ وہ غم واندوہ کی ایک ایسی تصویر بنکر نظر آئی۔ کہ معاً لوگوں کے خیالات نے پلٹا کھایا۔ ہزارہا لوگ جو ابتک جادیب کا تکا بوٹی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اب اس سیاہ کار مجرم کے حامی بن گئے جس نے انسانی زندگی کو مور و ملخ کی جان سے بھی بے حقیقت سمجھا تھا۔ واقعی انسان کے دل کی عجیب کیفیت ہے۔ ابھی جس کی بوٹیاں نوچنے کو آمادہ ہوتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اس پر جان تک نچھاور کرنیکو تیار ہو جاتا ہے۔

جوگی جی نے اس تمام کیفیت کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ گو جادیب چندر اپنے جرائم کی تاریکی اور ان کا اقبال کرنے میں جذبات کے جوش سے بیہوش ہو کر اپنی اصلی حالت میں زمین پر گرا پڑا ہے تاہم لوگ لحظہ بہ لحظہ اس کے حامی ہوتے جاتے ہیں۔ کملا کی اعلیٰ زنانہ فطرت اور اپنے شوہر سے اس قدر محبت رکھنے پر جوگی جی بہت خوش ہوئے لیکن انہوں نے کسی لفظ یا حرکت کے ذریعہ خوشی یا تکلیف رحم یا غصے کا اظہار نہ کیا

ایک دو تین۔ پانچ دس منٹ گذر گئے۔ مگر ابتک جادیب چندر نہ ہلا۔ اس اثنا میں کملا بدستور جوگی جی کے قدموں کو پکڑے رہی۔ گو کبھی کبھی وہ دزدیدہ نگاہ سے ان کے چہرے یا اپنے خاوند کے جسم کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ آخر کار جوگی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اٹھا کر کھڑا کرتے ہوئے کہنے لگے۔

" دیوی کملا! تو اپنے شوہر کی جان کا کچھ فکر نہ کر۔ مجرموں کو سزا دینا میرا کام نہیں ہے۔ لیکن جن لوگوں نے مہاتما کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہے۔ انہیں یہ نہ سمجھنا چاہیے۔ کہ ہم اس کی مناسب خفگی سے محفوظ اور مصئون رہیں گے۔ ہم بے حقیقت فانی انسان لامحدود قسمت کے غلام ہیں اور اس قسمت کی تحریر اٹل ہے

"جادیب زندہ رہیگا۔ مگر میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتا۔ کہ اس کے حواس بجا رہیں یا نہ رہیں۔ اے کاش! مجھے یہ توفیق ہوتی۔ کہ اس کے گناہوں اور جرموں کا بار اپنے سر پر لیکر اسے ان کے نتائج سے محفوظ کر سکتا مگر افسوس ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اس جرم کے بوجھ کو جو مجھ سے سرزد نہ ہوا تھا۔ آجتک میں نے بڑی خوشی سے اٹھایا۔ تو جانتی ہے کہ وہ جرم اس قدر بھیانک ہے کہ انسان اس کا نقشہ بھی اپنے ذہن میں نہیں باندھ سکتا۔ اس اثنا میں

اگر چاہتا۔ تو ان شبہات کو جو لوگوں کے دلوں میں میرے خلاف موجود تھے ایک لفظ سے دور کر سکتا تھا۔ تاہم میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ مجھے اس بات کی پروا نہ تھی۔ کوئی ایک تارک الدنیا شخص کی نسبت جو ان فانی دنیوی خوشیوں اور غمیوں سے (دیگران کا حقیقت میں کچھ وجود ہے) دست بردار ہو چکا ہو کس قسم کے خیالات اپنے اندر رکھتے ہیں۔ لیکن اے کملا میں جو ایک حقیقت ذی نفس ہوں (خواہ کچھ بھی کروں تمہارے خاوند کو بچانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس میں اپنے دل سے اسے معاف کرتا ہوں (اگر ایسا کرنا ممکن ہے) لیکن میری معافی اس کے کس کام آ سکتی ہے؟ تمہارا خاوند بیشک زندہ رہیگا۔ مگر اس کے حواس اور طاقت دونوں میں فتور آجائیگا۔ گناہ کا خوفناک بھوت مرتے دم تک اس کے پیچھے لگا رہیگا۔ تمہارا لڑکا مر جائیگا۔ کیونکہ دنیا میں اس کا کام پورا ہو چکا۔ میں تمہیں آشیرباد دیتا ہوں۔ کملا تو سچ مچ دیوی ہے۔ نامعلوم پچھلے جنم کے کن پاپوں کی زنجیر نے تجھے اس شخص کے ساتھ جکڑ دیا ہے۔ مگر اب میں تجھے اطمینان دلاتا ہوں کہ انجام کار تجھے وہ موکش (نجات) حاصل ہوگا جس کی ہر ایک روح کو کامنا ہے اور جس کے لئے ہر ایک شخص ملتجی رہتا ہے۔

جوگی جی نے پھر کملا کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ بلکہ پدرانہ شفقت کے طریق پر ان گھونگریالے بالوں کو جو اس کے نقاب کے نیچے سے باہر نکلے ہوئے تھے پیچھے کو ہٹا دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پاک دلاسے سے کملا پر ایک برقی اثر پڑا ہے۔ کیونکہ نیچے کی طرف جھک کر اس نے جوگی کے پاؤں کو بوسہ دیا اور بعید آہستگی کے لہجہ میں جو بہت کم لوگوں کو سنائی دیا۔ کہنے لگی "اے مقدس باپ! میرا دل جس بات کی ......

..... توقع کر سکتا تھا۔ آپ نے اسے پورا کر دیا ہے۔ مجھے اس بات کی بالکل امید نہ تھی کہ میرا شوہر جو ہر چند کہ عاصی و گنہگار ہے۔ لیکن پھر بھی میرا شوہر ہے زندہ رہیگا۔ اور میں اس کی خدمت کر سکوں گی۔

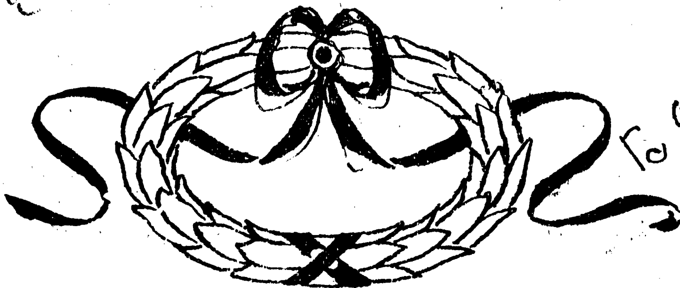
اس کے جرائم اس قدر خوفناک ہیں کہ فہم انسانی ان کا اندازہ کرتا ہوا ڈرتا ہے اور مجھے یہ قدرت حاصل نہیں کہ میں انہیں کسی طرح کم کر سکوں۔ تاہم میں اتنا ضرور کر سکتی ہوں کہ خود ایک پاک اور زاہدانہ زندگی بسر کر کے اور اس کا پھل اپنے خاوند کو دیکر ان گناہوں کے متعلق لوگوں کے بھیانک خیالات کو کسی حد تک دور کردوں ہرچند کہ میں ایک جاہل عورت ہوں۔ تاہم اتنا ضرور جانتی ہوں کہ ایک دنیادار عورت کی حیثیت میں میرا فرض ہے کہ اپنے شوہر کی سیوا کروں۔ اور میں آپ کو برکت دیتی ہوں کہ آپ نے مجھے ایسا کرنے کا موقعہ دیا۔"

جوگی جی بولے "ایک ستی کی برکت لینے ہم زن سونے سے بھی زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ہے ماتا! تو اس لفظ کے صحیح معنوں میں ستی ہے اور وہ جو اس دنیا پر حکمران ہے تیری جگہ اس کے کمل کے ایسے پاس میں سچ میں جو ایک عاجز اور فانی انسان ہوں ......... تیری برکت کو تقدیس کی نگاہوں سے دیکھتا ہوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ اسکی مدد سے میں اس مقام تک پرواز کر سکونگا جہاں کی مجھے آرزو ہے سکین جہاں پہنچکر دوبارہ تیری برکت کی مدد

سے نہ پہنچا سکتے۔ جوگی جی سبز زمین پر دو زانو ہو گئے۔ اور ان کے قریب ہی جوگن بھی گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کے بعد ان دونوں نے ملکر بڑے میٹھے سر سے وہ بھجن گانے شروع کئے جن کے لئے سنسکرت زبان اس قدر مشہور ہے۔ ان کی ملی ہوئی آواز کبھی مدہم کبھی پھیلنے والی اور کبھی بالکل آہستہ ہوتی تھی۔ ان کے پاک دلوں سے نکلے ہوئے بھجن ہوا کو پاک و صاف کرتے ہوئے آسمان کی طرف اُڑ رہے تھے۔ اور انہیں سُنکر ہر ایک دل میں نجات کی وحشیانہ امنگیں پیدا ہو رہی تھیں۔ واقعی وہ سماں کیسا شاندار پاک مقدس اور روحوں کو وجد میں لاتیوالا تھا۔ رفتہ رفتہ جادب کو ہوش آتا گیا اور جب آخر کار وہ اُٹھکر بیٹھ گیا۔ تو اس کی آنکھوں کی عجیب روشنی ظاہر کرتی تھی کہ اس کے فہم و ادراک کا جہاز گناہوں کی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو چکا ہے۔ کملا معًا اس کے قریب پہنچی اور اس کا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ میں لیکر تہ دل سے دعا کرنے میں مصروف ہو گئی اور یقین ہے کہ اسکی دعا ضرور آسمان تک پہنچی ہو گی۔

جب منتر وغیرہ پڑھے جا چکے تو رامچندر نے اپنے چھوٹے بھائیوں کو پاس بلاکر ان کے سروں پر پیار دیا۔ اور بارگاہ ایزدی میں ان پر نزول برکات کے لئے دعا کی۔ اس وقت خوشی اور غم کے آنسو ان لڑکوں کی آنکھوں میں بھرے ہوئے تھے۔ خوشی تو اس بات کی تھی کہ ان کا عدم پتہ بھائی پھر ایکبار غائبانہ طور سے ان آملا تھا اور غم اس لئے تھا کہ وہ بہت جلد پھر ان سے جدا ہونے والے تھے۔ آہ! ان یتیم لڑکوں کی قسمت کیسی افسوسناک تھی۔ انہوں نے بار بار رامچندر سے واپس مکان پر چلنے کی التجا کی۔ لیکن جس طرح مہاراج رامچندر جی نے بھرت کو بن باس اختیار کرتے وقت دلاسے دے دے کر واپس کر دیا تھا۔ ایسے ہی جوگی رامچندر نے نرمی لیکن استقلال کے ساتھ ان کی درخواست نامنظور کی۔ گو اتنا کہا کہ میں دور سے جہاں تک ممکن ہو گا تمہارے فواید کی نگہداشت کرونگا۔

اس جگہ ہم اس افسوسناک ڈرامے کے آخری سین پر پردہ گراتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ باقی ماندہ تفاصیل کا اندازہ ناظرین خود اپنے ذہن میں کر سکیں گے۔



# منزلِ عشق

بابو پربھات کمار مکرجی ۔ کے قلم سے

## ا

مندرجہ ذیل واقعات اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ بنگال میں برہمو سماج کی تحریک زوروں پر تھی ضلع بردوان میں مہامایا نام کا ایک غیر آباد سا گاؤں ہے۔ غیر آباد اس لئے کہ قریب ترین ریلوے سٹیشن سے اس کا فاصلہ ۳۰ اور ڈاک خانہ سے ۱۵ میل ہے۔ گاؤں کے وسطی حصہ میں مہامایا کا ایک مندر ہے جس میں ایک مورتی رکھی ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے اس گاؤں کا نام مہامایا مشہور ہے۔

اس چھوٹے سے گاؤں میں برہموبھوشن بندھوپادھیائے نامی ایک غریب زمیندار رہتا تھا جس زمانہ کا ہم ذکر کرنے لگے ہیں۔ اس سے تھوڑا عرصہ پیشتر اس کا منجھلا بیٹا اناتھ شرن بی۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہو کر گھر واپس آ چکا تھا۔ اس لڑکے کی عمر کم و بیش ۲۲ سال کے قریب ہوگی۔ بدن سڈول اور دیکھنے بھالنے میں تمکنت جوان تھا۔ لیکن بعض وجوہ سے باپ بیٹے میں ناراضگی چلی آ رہی تھی۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ باپ نے سنا تھا وہ برہمو سماج میں اٹھتا بیٹھتا ہے دوسری وجہ یہ کہ گھر میں ۱۶ برس کی جوان بیوی موجود ہے مگر اس سے بات چیت کرنے کا روادار نہیں اس ناچاقی کا سبب کسی کو معلوم نہ تھا۔ عام طور پر وہ کہا کرتا تھا۔ کہ جسے میں نے اپنی پسند سے بیوی نہیں بنایا جس سے میرے حسب دلخواہ شادی نہیں ہوئی وہ میری جائز بیوی نہیں ہو سکتی۔ میرا اس سے اگر کوئی رشتہ ہو سکتا ہے تو وہ صرف بہن بھائی کا ہے۔ اگر کوئی کہتا کہ یہ حالت ہے۔ تو پھر تم نے شادی کیوں کی تھی۔ تو جواب ملتا۔ کہ اس وقت میری ایسی سمجھ نہ تھی اگر کوئی پوچھتا۔ کہ تمہاری اس بے اعتنائی سے اس غریب لڑکی کا کیا حشر ہوگا تو وہ جواب دیتا کہ ہم دونوں برہمو سماج میں داخل ہو جائیں گے ایسا کرنے سے ان کے مقررہ اصول کے مطابق ہمارا نکاح فسخ ہو جائیگا۔ بعد میں اسے اختیار ہوگا جس سے چاہے اپنی پسند کے مطابق شادی کرے۔

شادی کے بعد اناتھ شرن کلکتہ تعلیم حاصل کرنے گیا۔ تو وہاں اسکی ہمنیت کمار نامی ایک شخص سے دوستی ہو گئی تھی۔ یہ شخص برہمو سماج میں داخل ہو چکا تھا۔ دوستی کے تھوڑے ہی دن بعد اناتھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمنیت کمار کی ایک دور کے رشتہ کی بہن نگیندر بالا کو چاہتا ہے۔ ابتدا میں اناتھ اپنے من کا شر ہماری محسوس کرتا تھا۔ لیکن ہمنیت کمار نے اسے سمجھایا کہ محبت خدا کی ایک طاقت

کا اظہار ہے محبت کرنا کسی عمر میں بھی داخل گناہ نہیں سمجھا جا سکتا ۔ ہمینت کو اس بات کا پورا یقین تھا ۔ کہ مرد عورت میں کامل طور پر محبت نہ ہو ۔ تو ان کا آپس میں بیاہ ہونا ٹھیک نہیں ہوتا ۔ اناتھ نے اپنی منکوحہ عورت مندا کنی کے ساتھ کسی محبت کی وجہ سے بیاہ نہ کیا تھا ۔ اس لئے کسی صورت میں وہ اس کی بیوی نہیں ہو سکتی تھی ۔ البتہ بہن بن سکتی تھی یہی عقیدہ ہمینت نے اناتھ کے بھی ذہن نشین کرا دیا ۔ دونوں کو یہ بات بھی معلوم ہو چکی تھی ۔ کہ نگیندر بالا بھی اناتھ سے محبت کرتی ہے ہمینت کمار کی خواہش تھی ۔ کہ نگیندر بالا کی شادی اناتھ شرن سے ہو جائے ۔ لیکن آخر الذکر کی پہلی منکوحہ بیوی کی موجودگی میں دوسرا بیاہ بھی ناممکن تھا ۔ بیاہ کا سوال تو الگ ۔ رہا اس کا اس کے ساتھ محبت تک کرنا ناجائز تھا ہمینت مجبوری کی حالت میں کہا کرتا تھا ۔ کہ پران پران کو اور آتما آتما کو چاہے تو محبت ہوتی ہے ۔ یہ چیز حاصل ہو تو پھر کیا ہے ۔ بیاہ ہوا تو کیا نہ ہوا تو کیا ؟ لیکن برہمو سماج کے قانون شادی کا سہارا لیتے ہی انہوں نے کچھ اور مشورہ شروع کیا ۔

دوپہر ہو چکی تھی جیٹھ کا مہینہ ہے ۔ آم کے باغیچہ کو چھوڑ کر باقی ہر جگہ تیز دھوپ پڑ رہی ہے ۔ ایک کمرہ میں میز کے قریب کرسی پر اناتھ شرن بیٹھا ہوا ہے یہی اس کی بیٹھک ہے اور اسی میں وہ رات کے وقت سوتا ہے ۔ دیواروں پر انگریزی تصاویر کے علاوہ ایک باجہ لٹک رہا ہے ۔ جسے وہ صبح اور دوپہر کے وقت بجا کر برہمو سماج کے بھجن گایا کرتا ہے ۔ فرنیچر کی قسم سے اس کمرہ میں ایک کلاک ۔ ایک الماری شمعدان اور ایک کھاٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں ۔ یکایک اناتھ نے میز کے دراز سے ہمینت کی ایک چھٹی نکالکر پڑھنا شروع کی ۔ جہاں جہاں اس چھٹی میں نگیندر بالا کا نام آتا وہ اسے چومتا جاتا تھا ۔ پھر چھٹی کو دوبارہ دراز میں رکھکر آنکھیں بند کئے کچھ سوچنے لگا ۔ اتنے میں کلاک نے دو کا گھنٹہ بجایا ۔ اناتھ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس پر یہ الفاظ لکھے ۔

" آج رات کو ۱۲ بجے جب سب لوگ سو جائیں ۔ تو ایکبار ہمارے پاس آنا "

یہ لکھکر کاغذ کو پیٹتے ہوئے چھوٹا کیا ۔ اور اس کے بعد میز کے دراز کو بند کر کے کمرہ سے باہر چلا آیا زنانہ میں داخل ہوا ۔ تو دیکھا کہ آنگن میں کوئی آدمی نہیں ہے ۔ وہاں سے آگے بڑھکر کوٹھڑی میں گیا تو اس کی بھاوج سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی تاش کھیل رہی تھی ۔ دوسری کوٹھڑی میں داخل ہوا تو دیکھا کہ والدہ سو رہی ہے اور بھائی کا چھوٹا لڑکا مرتبان سے مربہ نکال نکالکر کھا رہا ہے ۔ چچا کو دیکھکر وہ کھسیانا ہو کر ہنسنے لگا ۔ لیکن اناتھ اس کی طرف دھیان کئے بغیر وہاں سے بھی چلا آیا تیسری پوجا کی کوٹھڑی میں نارائن کی مورتی رکھی تھی ۔ چونکہ وہ مورتی پوجا کے خلاف تھا ۔ اس لئے یہ پہلا ہی موقعہ تھا ۔ کہ کوٹھڑی میں داخل ہوا ۔ باہر کھڑے کھڑے اس نے دیکھا ۔ کہ اس کی بیوی مندا کنی پینچی سے

اٹلی کتر رہی ہے۔ دائیں طرف ایک کیلہ کے پتہ پر تھوڑی سی کٹی ہوئی اٹلی رکھی تھی۔ مندا کنی کے ہونٹ پان سے سرخ تھے۔ ماتھے پر پسینہ کی بوندیں چمک رہی تھیں اور دوپٹہ کھسک کر گلے میں آ رہا تھا۔ مندا نے اس سے پہلے کبھی اپنے شوہر کو نہ دیکھا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنی جگہ پر بیٹھی اٹلی کترنے میں مصروف رہی۔ اناتھ تھوڑی دیر تک کھڑا اس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہا۔ بیاہ کے بعد یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس نے اپنی بیوی کو پورے غور سے دیکھا۔ اتنے میں آم کے پیڑ پر سے جو صحن میں اُگا ہوا تھا۔ ایک آم پکا ہوا ہوا کے جھونکے سے نیچے گرا۔ اس کی آواز سنکر مندا نے اونچی نظر کی۔ کیا دیکھتی ہے کہ اس کا شوہر برآمدہ میں کھڑا ہے۔ اسے دیکھتے ہی قینچی چھوڑ جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوگئی اور آدھا ہاتھ گھونگٹ نکالکر جنگلہ کے پاس آ گئی۔ اس کے آنچل سے چابیوں کا جو گچھا بندھا ہوا تھا۔ اس میں سے جھنجھناہٹ کی آواز پیدا ہوئی

اناتھ نے مڑا ہوا رقعہ مندا کے پاؤں کے قریب پھینکا۔ اور پھر کچھ بولے بغیر وہاں سے لوٹ آیا۔ اس کے چلے جانے پر مندا نے کاغذ اٹھا لیا۔ پہلے دروازہ بند کیا۔ پھر جنگلے کے پاس آ کر کاغذ پڑھا اور باہر دیکھنے لگی۔

آم کے پیڑ میں ایک جگہ بہت سے کچے پکے پھل لگے ہوئے تھے۔ اس کے اندر بیٹھی ہوئی کوئل "کوہو" "کوہو" کر رہی تھی۔ زیادہ فاصلہ پر اُلّو بول رہا تھا۔ پھر کاغذ پڑھا۔ پھر آم کے پیڑ کو دیکھنے لگی۔ پیڑ کے پتوں میں سے آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ مندا نے کاغذ کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور نارائن کی مورتی کے سامنے جا کر پرنام کرنے لگی۔ وہاں سے اٹھی اور پھر جنگلہ کے پاس آ کر کاغذ پڑھنے لگی۔

کیا آج اس کی زندگی کا پہلا دن تھا؟ بیاہ کے بعد یہ پہلا ہی موقعہ تھا۔ کہ شوہر نے اس کے ساتھ کسی قسم کی ملاقات کی جس وقت مندا کی شادی ہوئی ہے۔ تو وہ بیماری کی حالت میں تھی۔ یعنی اسے بخار چڑھا کرتا تھا۔ بیاہ کے بعد سسرال آ کر تین دن رہی تھی۔ مگر خاوند سے ملاقات نہ ہوئی۔ اس زمانہ میں اس کی عمر صرف ۱۳ سال کی تھی۔ اس کے بعد بیچ میں آ کر کئی مہینے رہ گئی۔ اس اثنا میں اناتھ کے خیالات میں انقلاب شروع ہو گیا رشتہ داروں کے بہت کچھ کہنے سننے سے بھی اناتھ ایکدن زنانہ میں نہیں سویا۔ اس مرتبہ نے ناراضگی کی وجہ سے اس سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ کہ اپنا بستر اندر لے آئے۔ البتہ اناتھ کی ماں بارہا اس بارہ میں فکر کرتی تھی۔ مگر وہ بیچاری بھی مجبور تھی۔ خط پڑھکر مندا نے سوچا کیا ملنے کے دن نذر سوامی کے خیالات نے پلٹا کھایا ہے؟ کیا اب میری زندگی سپھل ہونے کے دن آ گئے ہیں؟

بی خوش قسمت کہلا سکوں گی جب کبھی وہ اپنی سہیلیوں کی زبانی پتی پریم (شوہر کی محبت) کی سہاگ کے اذکار سنا کرتی تو اپنی حالت کا ان سے مقابلہ کر کے بہت مایوس ہوتی تھی۔ دل میں سوچ

کرتی کہ مجھ سے کونسا پاپ ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ایشور نے مجھے ایسی سخت سزا دی ہے؟ اب وہ سوچتی تھی کیا اس دکھ کے زمانہ کا خاتمہ قریب ہے؟

ابھی وہ اپنی خیالات میں غرق تھی۔ کہ کسی نے بند دروازہ کی زنجیر ہلائی۔ گھبرا کر منورما نے دروازہ کھولا دیکھا تو اس کی چھوٹی نند ہرمتی کھڑی تھی

ہرمتی چھوٹی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی۔ اس واقعہ کو پانچ سات سال گذر چکے تھے۔ ہرمتی تین برس عمر میں منورما سے بڑی تھی۔ لیکن دونوں میں صد درجہ کی محبت پائی جاتی تھی۔ دونوں ایک دوسری کے سکھ دکھ کی ساتھی تھیں۔

منورما کو دیکھکر ہرمتی چونک کر بولی "منورما تجھکو کیا ہو گیا ہے؟

منورما نے آہستگی سے جواب دیا " ہونا کیا تھا"

" تو دروازہ کیوں بند کیا تھا"

منورما چپ رہی۔

اس کی حالت دیکھکر ہرمتی کو بڑی فکر پیدا ہوئی۔ آخر اس نے منورما کو گلے سے لگا کر پوچھا " کیا نہیں بتاؤ گی"

" بتاؤں گی"

" کب بتاؤ گی؟"

" رات کو"

" نہیں ابھی بتاؤ"

نہ منورما بتاتی ہے نہ ہرمتی چھوڑتی ہے۔ آخر کار ہرمتی کے اصرار پر منورما نے مختصر لفظوں میں کیفیت بیان کی

اس کی باتیں سنکر ہرمتی پہلے تو چپ رہی۔ پھر آہستہ آہستہ مسکرانے لگی۔

منورما نے پوچھا " ہنستی کیوں ہو؟"

ہرمتی بولی " تمہارے شوہر کا برتاؤ دیکھکر ہنستی ہوں۔ میں نے جو چاہا تھا۔ وہی ہوا۔ تھوڑی دیر ہوئی وہ صحن میں چکر کاٹ رہا تھا۔ میں نے بڑی بھوجائی سے اس کا ذکر بھی کیا تھا"

منورما نے پوچھا " کیا کہا تھا"

ہرمتی نے جواب دیا " یہ کہا تھا۔ کہ معلوم ہوتا ہے اناتھ کا من ٹھکانے آگیا ہے اب کی مرتبہ کوشش کرو۔ تو گھر آنے لگ جائیگا۔ اس پر بھابی نے کہا تھا۔ اگر اس کا جی چاہے۔ تو شوق سے آئے میں کب منع کرتی ہوں۔ میں نے کہا۔ اتنے دن تو نہیں آئے۔ اب وہ اپنے آپ کیسے آسکتے ہیں؟ دم ہوتا ہے کہ وہ شرماتے ہیں"

منداکنی خاموش کھڑی رسنا کی۔

ہسرمتی پھر بولی "اس پر بھابی کہنے لگی۔ اس بار اس نے ہماری نافرمانبرداری کی تھی۔ اب کیا میں اسے بلانے جاؤں؟ میں اس قسم کی عورت نہیں ہوں۔ جیسا کوئی کرتا ہے۔ ویسا ہی پھل پاتا ہے۔ ابھی تو اسے دو مہینہ کی چھٹی ہے۔ ذرا اور ٹھیک ٹھاک ہو لینے دو"

منداکنی کہنے لگی "لیکن میں نہیں جا سکتی"

"کیوں"

"مجھے بڑی شرم آتی ہے"

ہسرمتی ہاتھ مٹکا کر کہنے لگی "آہا! دیکھو تو ابھی نری بچی ہے نا! شوہر کے پاس جاتے شرم آتی ہے! یہ کیوں نہیں کہتی۔ کہ اس وقت کے لئے بے چین ہوئی جاتی ہوں؟ میرے آگے ایسے چھل مت کرنا"۔

منداکنی نے کہا "نہ دیدی ٹھٹھا نہ کرو۔ مجھے تو ان کے پاس جاتے بڑا ڈر لگتا ہے۔ پہر پہلا دن ہے ان سے کبھی بات بھی نہیں ہوئی"

ہسرمتی نے پوچھا "تو کیا روز روز جائے گی؟ ایسا کرنے سے تو ایک دن سب حال معلوم ہو جائیگا"

پھر خود ہی سوچکر کہنے لگی "ہاں مگر اس کے سوا کیا چارہ ہے! شرم تو ایک دن چھوڑنی ہی ہوگی" منداکنی کہنے لگی "اس سے تو یہ بہتر ہوگا۔ کہ ایکبار جیٹھانی جی سے ہی پھر کہو۔ جیسا وہ مناسب سمجھینگی۔ کرینگی"

ہسرمتی بولی "اچھا کہونگی۔ مگر ابھی تو تم چوری سے ملو۔ چوری کے آموں کی طرح چوری کی سب چیز میٹھی ہوا کرتی ہے"

## ۲

"بہو! بہو! سو گئی کیا؟"

رات کے وقت منداکنی کھاٹ پر پڑی سو رہی تھی۔ کہ ہسرمتی نے ان الفاظ میں اسے پکارا۔ وہ جھٹ سے اٹھکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی "کیا کہتی ہو؟ بارہ بج گئے؟" ہسرمتی نے جواب دیا "بارہ چھوڑ ایک کی بھی گھنٹی بج گئی"

منداکنی بولی "معلوم ہوتا ہے تم سو گئی تھیں"

ہسرمتی نے جواب دیا "بھلا میری آنکھ میں نیند کہاں جس کا بیاہ ہونے والا ہوتا ہے۔ اسی کو تو نیند آتی ہے اڑوس پڑوس کے لوگوں کو تو بالکل نہیں آتی"

اتنا کہکر ہسرمتی نے چراغ جلایا اور ایک دبلی ہوئی دیسی ساری نکال کر کہنے لگی "لو اسے پہن لو"

منداکنی بولی "نہیں اس کی کچھ ضرورت نہیں"

ہسرمتی نے کہا "چپ: کیا ایسا میلا کپڑا پہنکر جاؤ گی؟"

اتنا کہکر اس نے اس کا آنچل کھینچا۔ مندا کو مجبوراً ہسرمتی کی بات ماننی پڑی۔

جب مندا ساری باندھ چکی۔ تو ہسرمتی بولی "کیا میں تمہیں وہاں تک پہنچا آؤں؟"

مندا ایک چٹکلا چھوڑنا چاہتی تھی۔ مگر رہ گئی۔ کیونکہ ہسرمتی کو اس وقت غصہ دلانا ٹھیک نہ تھا اس لئے اس نے صرف اتنا ہی کہا "نہیں تو کیا میں اکیلی جاؤں؟"

دونوں دروازہ کھول کر برآمدہ میں آئیں۔ سنسان چاندنی رات تھی۔ مندا کے پاؤں کے نوپر سے جھن جھن کی آواز پیدا ہوئی۔ اس آواز کو سُنکر ہسرمتی چونک کر بولی "سوچتے سوچتے سویرا کر دیا۔ لیکن اب بھی اس کو کھولکر نہیں آئی ہو"

مندا کنی نے اسے کھولکر تکیہ کے نیچے رکھا اور پھر دونوں بیٹھک کی طرف بڑھیں۔ قریب جاکر ہسرمتی نے مندا کے کان میں کہا "میں دروازہ کھلا رکھوں گی۔ جلدی نہ کرنا آہستہ آہستہ اطمینان سے واپس آنا"

اتنا کہکر وہ لوٹ گئی۔

مندا آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھکر اپنے شوہر کی بیٹھک کے برآمدہ میں پہنچی۔ دروازہ کھولکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ لیمپ جل رہا ہے۔ اندر قدم رکھتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگا۔ کلیجہ میں دھڑکن پیدا ہوئی۔ پاؤں آگے اٹھنے سے جواب دینے لگے۔ آخر بہت حوصلہ کر کے اندر داخل ہوئی۔ دیکھا کہ سوامی سو رہے ہیں۔ داخل ہوکر دروازہ بند کیا۔ زنجیر لگائی۔ اور لیمپ گل کر دیا۔ چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ اس لئے ہر طرف اجالا تھا اناتھ کے چہرہ اور بچھونے پر چاندنی پڑ رہی تھی۔ مندا بہت دیر تک کھڑی اس کے چہرہ کی طرف [illegible] کی "کیا یہی ہمارے سوامی ہیں؟ سوامی تو بڑے سندر ہیں" انہی خیالات میں تھوڑا عرصہ گذرا۔ مندا اپنے دل میں سوچنے لگی "یہ تو بڑے بھلے آدمی ہیں کہ دوسرے کو بلا کے آپ خراٹے لے رہے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے؟"

آخر سوچتے سوچتے خیال آیا کبھی سوامی کی خدمت کا موقعہ ہاتھ نہیں لگا۔ آج یہ عمدہ موقعہ کیوں ہاتھ سے جانے دوں۔ اتنا سوچکر شوہر کی پائنتی پر بیٹھکر اس کے پاؤں دبانے لگی۔ اناتھ شرن کو آرام جو محسوس ہوا۔ تو اور بھی گہری نیند میں سو گیا۔ کھڑکی سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ اس طرح آدھ گھنٹہ گذر گیا آخر کار اسے بھی نیند آگئی۔

دو کا گھنٹہ بج چکا تھا کہ اناتھ کی آنکھ کھلی۔ بیدار ہوکر بہت دیر ادھر ادھر دیکھا کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی کو تلاش کر رہا ہے پھر سوچنے لگا "آج تو مندا کو بلایا تھا جب تک جاگتا تھا اسی کی راہ دیکھتا رہا۔ ساڑھے بارہ بجے تک بھی وہ نہ آئی۔ تو میں نے سوچا کہ اب وہ نہیں آئیگی۔

انہی خیالات میں اس نے کروٹ بدلی۔ کروٹ بدلتے ہی اس کا پاؤں مندا کے ملایم جسم سے لگا۔ اناتھ پاؤں کو ہٹا کر جھٹ اوٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ مندا سو رہی ہے۔ چاند کی روشنی اس وقت مندا اکنی کے منہ پر پڑ رہی تھی۔ اس دودھ کی ایسی سفید روشنی میں اناتھ مندا کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہا۔ بتدریج اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ بڑی خوبصورت ہے۔ مندا کے دونوں ہونٹ رہ رہکر کانپ اوٹھتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

مندا کے چہرہ کی طرف دیکھتے دیکھتے اناتھ اپنے دل سے کہنے لگا "یہ تو بڑی خوبصورت ہے۔ نگنیدربالا سے بھی بڑھکر خوبصورت!" اسی طرح دو تین منٹ تک سوچنے کے بعد اناتھ نے یکایک منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر کے بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا "ایشور مجھ کو بل دو"

وہاں سے ہٹ کر اس نے لمپ جلایا اور مندا کے پاؤں پر ہاتھ رکھکر اسے جگایا۔

مندا اٹھکر بہت شرمائی۔ بڑی عجلت سے گھونگٹ نکالا اور اناتھ کی طرف دیکھکر گردن نیچی کرلی۔

اناتھ نے کہا "مندا اکنی"

مندا نے ایک سکنڈ کے لیے اناتھ کیطرف دیکھا اور پھر سر کو جھکا لیا

اناتھ بولا "مندا اکنی جانتی ہو۔ میں نے آج تمہیں کس لئے بلایا ہے؟"

مندا نے گردن ہلائی جس سے مراد یہ تھی۔ کہ میں نہیں جانتی۔

اناتھ نے پھر کہا "سنو تم کو ہمارے ساتھ کلکتہ جانا ہوگا چلوگی؟"

مندا اکنی چپ رہی۔ اناتھ نے پھر پوچھا "چلوگی"؟

بڑی باریک لیکن شیریں اور بھرائی ہوئی آواز میں مندا نے جواب دیا "جہاں آپ لے چلیں گے چلونگی"۔

اناتھ نے کہا "لیکن والدین کو اطلاع کئے بغیر چلنا ہوگا۔ چل سکوگی؟"

مندا نے اب کی بار کچھ جواب نہ دیا۔ اناتھ بولا "بات کرو یہ وقت شرمانے کا نہیں ہے۔ چل سکتی ہو تو کہو؟"

مندا بولی "ماں باپ کو بتائے بغیر کس لئے۔ ان کی اجازت کیوں نہیں لے لیتے؟ اب تو لوگ عورت کو پردیس لے جاتے ہیں"

اناتھ نے جواب دیا "اس کا ذکر میں نے ہارو کاکا کی معرفت والد سے کیا تھا۔ لیکن ان کی مرضی

نہیں معلوم ہوتی۔ وہ کہتے ہیں ابھی اسکی عقل پختہ نہیں۔ اسکی جہاں مرضی ہو جائے۔ ہم جیتے جی اس بات کو دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے کہ ہماری بہو جوتا موزے پہنکر کالج میں جایا کرے۔"

"کیا سچ مچ آپ ہمیں کالج میں لے چلینگے؟"

"ہم دونوں پوتر کالج میں داخل ہونگے"

مندا کنی نے سوچا سوامی مجھہ سے ٹھٹھا کر رہے ہیں۔ پھر بولی "ہم دیوتا پوجتے ہیں۔ برہم گیانی کیسے ہو سکیں گے؟"

اناتھہ بڑی متانت سے بولا "یہ سب اعتقادات تمہیں دل سے نکال دینے ہونگے۔ یہ سب بھول ہے دیوتاؤں کو پوجکر ہم ایک ایشور پر کیسے اعتقاد رکھہ سکتے ہیں؟"

"آپنے تو لکھنا پڑھنا سیکھہ لیا ہے۔ بھلا میری عقل کیونکر ویسی ہو سکتی ہے؟"

اناتھہ بولا "تم کو بھی لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔ کلکتہ جاکر سب بندوبست کر دیں گے۔ وہاں تمہیں لڑکیوں کے اسکول میں داخل کرا دیا جائیگا۔"

مندا سر جھکا کر بولی "اگر مجھے پڑھنا لکھنا ہوگا تو آپ سے سیکھہ لونگی۔ اتنی بڑی ہو کر اب میں اسکول کیسے جا سکتی ہوں"

اناتھہ کچھہ دیر چپ رہکر بولا "تمہیں غلط فہمی واقع ہوئی ہے۔ ہم دونوں ایک گھر میں تو نہیں رہیں گے۔"

مندا کنی حیرت زدہ ہو کر کہنے لگی "تو پھر میں کہاں رہونگی"

اناتھہ نے جواب دیا "اسی اسکول میں لڑکیاں جہاں پڑھتی ہیں۔ رہتی بھی وہیں ہیں۔ اس میں سب باتوں کا معقول انتظام موجود ہے۔"

مندا نے اطمینان کے لہجہ میں کہا "تو پھر میں وہاں نہ جاؤنگی"

اناتھہ نے سوچا کہ جبتک مرض کا پتہ نہ ہو۔ علاج کچھہ کارگر نہیں ہوتا۔ بہتر ہے کہ سب بات تفصیل کے ساتھہ بیان کر دی جائے۔ آخر یہی سوچکر کہنے لگا "تم جانتی ہو کہ شادی کے بعد اب تک ہماری تمہاری ملاقات کیوں نہیں ہوئی؟"

مندا کہنے لگی "کچھہ کچھہ سُنا تو ہے مگر اچھی طرح سمجھی نہیں۔"

"اچھا تو اب میں صاف صاف کہتا ہوں۔ سنو۔ اول تو باہم محبت کے بعد شادی نہیں ہوئی دوسرے شادی کی ساری رسوم پرانے طریق پر سرانجام دی گئی تھیں۔ ان وجوہ سے گویا

ہماری شادی ٹھیک طور سے نہیں ہوئی۔ اور تم میری استری نہیں ہو۔ البتہ بہن ہو۔ اب سمجھیں کہ نہیں؟"

مندا خاموش رہی اور اناتھ بدستور کہتا رہا۔" میں تمہیں ایک بات صاف صاف کہہ دینی چاہتا ہوں۔ اور وہ یہہ ہے کہ میں تم سے پیار یا محبت نہیں کرتا۔"

"یہہ تو میں صاف صاف دیکھ رہی ہوں۔"

"میں تو ایک دوسرے کے پریم کا پیاسا ہوں۔"

"تو مجھے کلکتہ لیجا کر کیا کروگے؟" •

اناتھ بولا۔" دیکھو مندا میں نے تم سے پیار کرکے بیاہ نہیں کیا۔ اب تک تم پر جو اس قدر ظلم ہوا ہے۔ وہ محض اسی وجہ سے تھا۔ لیکن اب میں تمہاری باقی ماندہ زندگی کو ضایع کرنا نہیں چاہتا جب ہم دونوں کلکتہ میں برہمو دہرم اختیار کرلینگے۔ تو یہ شادی فسخ ہوجائیگی۔ اس کے بعد تمہیں اختیار ہوگا جس سے چاہو شادی کرلینا۔ ان حالات میں کلکتہ جاکر ہمارا ایک ہی مکان میں رہنا ناممکن ہے۔ اب تو ساری بات سمجھہ گئی ہوگی"

مندا کنی نے اس تقریر کا کچھہ جواب ندیا۔ البتہ گھونگٹ کو اور بڑھا کر نکال لیا اور کٹھ پتلی کی طرح بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد اناتھ کو معلوم ہوا کہ مندا رو رہی ہے۔

عورت کے پاس سب سے زبردست ہتھیار رونا ہے۔ عورت کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے گرتے دیکھکر بڑے بڑے سورما دل چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ خوبصورت مندا کو روتے دیکھکر اناتھ کو بڑا رنج ہوا۔ اس نے چاہا کہ اس کا گھونگٹ اٹھاکر اس کے بہتے آنسو پونچھہ دے۔ مگر اس کے دل میں پابندی فرض کا جو گہرا خیال بیٹھا ہوا تھا [illegible] نے اسے ایسا کرنے سے روکا۔ رات کے وقت سونے گھر میں جوان عورت کے بدن سے اپنا بدن مس کر[illegible]نے النسب نہ جانا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔" مندا روتی کیوں ہو؟ میں تو تمہارے بھلے کے لئے کہتا ہوں"

لیکن نہ تو مندا کچھہ بولی۔ اور نہ اس کے آنسوؤں کا تار تھما۔

اناتھ نے پھر کہا۔" مندا"

اس مرتبہ اسکی آواز کا لہجہ مختلف تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا محبت سے بلاتا ہے۔ اس آواز کو سنکر مندا اور بھی زور سے رونے لگی۔

اناتھ مجبور ہوکر سوچ میں پڑ گیا اور غور کرنے لگا۔ کہ مندا کو اتنی سی بات پر غم و غصہ کیوں ہوا وہ جانتی ہے کہ میں نے محض اپنی بھلائی نہیں سوچی۔ اس سے مجھے نہ تو محبت ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔ اگر یہ مناکحت کا بندھن ٹوٹ گیا۔ تو اسے اپنی باقی ماندہ زندگی میں امن چین نصیب ہوگا۔ باوجود ان سب باتوں کے اسے اتنا رنج کیوں ہوا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھہ سے محبت کرتی ہو؟"

اتنے میں کلاک نے تین بجائے۔ مندا اٹھکر بولی" میں جاتی ہوں" اناتھ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھینچنے لگا!

"مندا اپنے دل کی بات صاف صاف کھولکر کہہ ڈالو"

مندا نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا" بس جانے دو اس وقت میرا دماغ ٹھیک نہیں ہے"

"اچھا تو کل آنا۔ آؤ گی؟"

"دیکھئے"

"دیکھنے کی بات نہیں کل ضرور آنا"

اناتھ کی آواز منت کا لہجہ لئے ہوئے تھی۔

مندا نے کہا" اچھا" اور باہر چلی گئی۔

## ۳

اگلے دن جب اناتھ سو کر اٹھا۔ تو دن چڑھ آیا تھا۔ لیکن اس وقت بھی مندا کنی کی آنسوؤں سے پُر کالی آنکھوں کی تصویر اس کے سامنے گھوم رہی تھی۔

جس وقت وہ بستر پر سے اٹھا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ کپڑوں میں بالوں میں لگانے کا سونے کا کانٹا پڑا ہے۔ اس نے اسے اٹھا کر اپنے ٹرنک میں رکھ لیا۔

عام طور پر وہ ہر روز صبح کے وقت بیدار ہو کر بھجن گایا کرتا تھا۔ اور اس میں کبھی ناغہ نہ ہونے دیتا تھا۔ لیکن آج طبیعت گانے پر مائل ہی نہ ہوئی تھی۔ اس کا دل آج بے حد اداس تھا۔

آخر کار گھر سے نکلا اور گاؤں سے دور ندی کے کنارہ جا کر گھومنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا کہ گھر کا نوکر ماکھن سردار ہانپتا ہوا دوڑا آرہا ہے۔

اس خیال سے کہ کہیں یہ کوئی بری خبر لیکر نہ آیا ہو اس کا دل گھبرا اٹھا اور طرح طرح کے خیالات دل میں آنے لگے۔ اس کے اس طرح بے تحاشا دوڑے آنے کی کیا وجہ ہے؟ کیا وہ مجھے بلانے آرہا ہے؟ مندا کنی کو تو کچھ نہیں ہو گیا۔ اس نے کوئی غیر معمولی حرکت تو نہیں کی؟ یہ اور اسی قسم کی صدہا باتیں اس کے دل میں پیدا ہونے لگیں۔ جس وقت ماکھن قریب آیا۔ تو اناتھ نے دیکھا کہ وہ رو رہا ہے جلدی سے پوچھا" ماکھن کیا ہوا؟"

ماکھن روتے روتے بولا" حضور ستیاناس ہو گیا۔ جبڑو یا کو بلانے جاتا ہوں۔ سانپ نے کاٹ لیا ہے"!

اناتھ کے دل نے کہا ضرور مندا کو سانپ نے ڈسا ہو گا۔ چونکہ اس اثنا میں ماکھن،

ہوا دور نکل گیا تھا۔ اس لئے وہ پوچھ نہ سکا۔ کہ سانپ نے کسے ڈسا ہے۔

سخت اضطراب اور قلق کی حالت میں اناتھ گھر کو واپس لوٹا۔ پہلے آہستہ آہستہ چلا پھر ذرا تیز ہوا اور آخر کار دوڑنے لگا۔ صدر دروازہ کے قریب موڑ پڑتا تھا۔ اناتھ باغ کے راستہ اندر داخل ہوا۔ باغ میں سے ہو کر گھر کے قریب پہنچا۔ تو دیکھا کہ ایک پیڑ کی آڑ میں ہرمتی اور منداکنی تالاب میں نہانے جا رہی ہیں۔ یہ دیکھکر اناتھ کا دل دھڑکانے آیا۔ دونوں کا سر کھلا ہوا تھا۔ اناتھ نے منداکا چہرہ کسی قدر اور ہرمتی کا پورے طور سے دیکھا۔ قریب آنے پر جب دونوں نے اناتھ کو دیکھا۔ تو منداکنی نے جھٹ سے گھونگٹ نکال لیا۔ ہرمتی کی نگاہوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مسکرا کر کہہ رہی ہے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اناتھ نے گھبرا کر پوچھا "ہر سانپ نے کس کو کاٹا ہے؟"

ہرمتی نے حیران ہو کر جواب دیا "کسی کو بھی نہیں۔ کم از کم میں نے نہیں سُنا"

بیٹھک خانہ میں جا کر اناتھ نے معلوم کیا کہ سانپ نے ماکہن سردار کی بیوی کو کاٹا ہے۔ وہاں سے وہ ماکہن کے گھر گیا۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور جہڑ وئے بڑے اونچے لہجہ میں منتر پڑھ رہے ہیں۔ باوجود ان منتروں کے وہ غریب عورت نہ بچ سکی۔ جبتک ماکہن اس جہڑ و یا کو لیکر واپس لوٹا جسے وہ لینے گیا تھا۔ اس وقت تک یہاں سب کام ختم ہو چکا تھا۔ اپنی مردہ بیوی کو دیکھکر ماکہن بہت رویا۔ اس طرح آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا۔ جیسے کوئی پانچ برس کا بچہ رو رہا ہو۔ بہت سے لوگ اس افسوسناک نظارہ کی تاب نہ لا کر ہائے ہائے کرتے ہوئے چلے گئے۔ اناتھ بھی گھر لوٹا۔ سوچنے لگا۔ کہ ایک جاہل اور غیر تعلیم یافتہ شخص کے دل میں کتنی محبت ہے۔ اس کے جی میں آیا کہ ہیمنت کمار کو یہ نظارہ دکھلائے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا۔ کہ صرف منتر پڑھ دینے ہی سے بیاہ کے بعد محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس نظارہ کو دیکھتے ہوئے اس کے خیال کی بالکل تردید ہوتی ہے۔

گھر پہنچکر اناتھ نے دیکھا کہ ہیمنت کی طرف سے ایک چٹھی آئی پڑی ہے جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

ستیہ میو جیتے

(سچائی کی فتح ہو)

کلکتہ

۱۷ جیٹھ یوم دوشنبہ

میارے بھائی۔ میں نے کل جو خط بھیجا تھا۔ ملا ہو گا۔ آج ایک بہت اچھی خبر لکھتا ہوں۔ کانت پور جو شری یت اشونی جبت بہادر کو اپنے لڑکے کے لئے ایک معلم کی ضرورت ہے۔ تمام کوشش

دو گھنٹہ پڑھانے کا کام اور تنخواہ صرف ۵۰ روپیہ ماہوار ہے۔ میں ان سے ملا تھا۔ وہ کہتے ہیں۔ اگر آپ اس کام کو اپنے ذمہ لے سکیں تو ان کی عین رحمت ہے۔ اگر آپ منظور کریں۔ تو ایک ہفتہ کے اندر کام شروع کر دینا ہو گا۔ بس آپ اب اس خط کو دیکھتے ہی پہلے کی طرح صلاح کے مطابق شریمتی منداکنی دیوی کو ہمراہ لیکر چلے آئیں۔ آپ کا جواب آنے پر میں زنانہ اسکول میں اس کے داخلہ کا بندوبست کر رکھوں گا۔ جب کبھی میں نگینہ رہا لا سے ملتا ہوں۔ تو اس سے آپ کا ہی ذکر آیا کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا اور اس کا پیار بڑھتا جاتا ہے۔ بہن منداکو ضرور لیتے آنا۔ اگر کوئی رکاوٹ پیش آئے تو سمجھ لینا کہ دنیا کے اندر تمام نیک کاموں کو سرانجام دینے میں رکاوٹیں پیش آیا ہی کرتی ہیں۔ مسیح علیہ السلام نے راستی کی اشاعت کیلئے اپنی جان تک سے محبت نہ کی تھی۔ اس کے مقابلہ میں دنیا داروں کی محبت کیا حقیقت رکھ سکتی ہے

آپکا صادق

ہیمنت کمار سنگھ

اناتھ نے ہیمنت کو اس کے خط کا کچھ جواب نہ دیا۔ اس کو بار بار منداکی آنسوؤں سے تر آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ سوچنے لگا۔ وہ تو رضامند نہیں ہے۔ ابھی سے اس قدر ناراض معلوم ہوتی ہے۔ کلکتہ جانے پر کیسے راضی ہو گی۔ یہ اور اسی قسم کے اور خیالات بار بار اس کے دل میں چکر لگا رہے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے۔ کہ مسیح ماکہن کی اس محبت کو دیکھکر جو اسے اپنی بیوی سے تھی۔ اس کے دل پر سخت چوٹ لگ چکی تھی۔

اناتھ کو خیال پیدا ہو چلا تھا۔ ممکن ہے منداجبہ سے محبت کرتی ہو۔ اور اسی لئے نکاح فسخ ہونے کا خیال اسے بیتاب کر رہا ہو۔ اس کے دل میں اس بات کا شبہ پیدا ہوتا جا رہا تھا کہ شادی سے پہلے اگر آپس میں محبت نہ ہو۔ تو بعد میں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ شام کے وقت اس کے بھائی کے لڑکے نے اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ لا کر دیا۔ لفافہ گوند سے بند تھا۔ اور اس کے اندر چٹھی تھی۔ لیکن اوپر سرنامہ درج نہ تھا۔ اناتھ نے کھولکر چٹھی کو پڑھا تو یہ مضمون لکھا تھا:۔

میری جان اور پران کے مالک

جہاں آپ لے چلیں میں چلنے کو تیار ہوں جس دن جس وقت جانا ہو مجھکو آگاہ کر دیجئے میں آپکے پیچھے ضرور چلوں گی۔

آج رات آپ کے درشن نہ کر سکونگی

آپکے قدموں کی داسی

مندا

اس خط کو پڑھکر اناتھہ نہایت حیران ہوا اور اس فکر میں پڑا۔ کیا وہ تہ دل سے جانے کے لئے تیار ہے؟ کیا بیاہ کا رشتہ توڑنے سے اسے رنج نہ ہوگا۔ انہی تفکرات میں اس نے خط کے مضمون کو بار بار پڑھا پہر سوچا کہ اگر اسے رنج نہیں تو مجہہ سے محبت نہ ہوگی۔ لیکن اس نے لکہا ہے "میری جان اور پران کے مالک" "آپکے قدموں کی داسی"۔ ان الفاظ کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟

تہوڑی دیر سوچنے کے بعد آخر دل میں یہی فیصلہ کیا کہ یہہ الفاظ آداب تحریر میں داخل ہیں ان کے کوئی خاص معنی نہیں ہو سکتے۔ مگر اس قسم کا فیصلہ کر لینے پر بھی اس کا دل سخت رنجیدہ ہوا۔

جی کڑا کرکے اناتھہ نے خود سے کہا "اسے تم سے محبت ہو یا نہ ہو۔ تمہیں اسکی پرواہ نہ ہونی چاہیے" اتنا کہکر اس نے عالم خیال میں نگیندر بالا کی تصویر دیکہنا شروع کی۔

سوچتے سوچتے اس بات پر فیصلہ کیا کہ اب اس کام میں دیر نہ کرنی چاہیے ماں نے کچا دودہ پیا ہے۔ اس کا دل کبہی ایک بات پر قایم نہیں رہ سکتا۔ مبادا پہر خیالات پلٹا کہا جائیں میں رات کے ایک بجے گہر سے نکلونگا۔ مندا ساتہہ ہوگی یہاں سے دو کوس کے فاصلہ پر رتن پور نامی گاؤں ہے۔ وہاں تک پیدل چلیں گے اور وہاں سے بیل گاڑی کرکے اسٹیشن تک پہونچیں گے۔ تارکیشور ہوکر جانے میں ۸ کوس کا فاصلہ پڑتا ہے۔ پاڈوا ہوکر جانے میں ۱۱ کوس کا۔ لیکن پاڈوا ہوکر جانا بھی اچھا ہے۔ گاؤں کے لوگوں سے ملنے سے بھی بچا رہونگا۔ اس میں شک نہیں کہ فاصلہ زیادہ پڑیگا اور دیر بھی ہوگی۔ مگر خیر اس کی کیا پروا ہے

اس روز اسے رات بہر نیند نہ آئی طرح طرح کے خیالات دماغ میں آتے اور جاتے تھے جن سے دل بیقرار رہتا پڑتا تہا۔ صبح کو چارپائی سے اٹھا تو جسم گرم تہا۔ اعضا شکنی ہو رہی تھی۔ مگر اس نے جی کڑا کرکے یہ رقعہ لکہہ ہی ڈالا۔

پیاری مندا

آج رات کو ایک بجے چلیں گے۔ اس وقت میرے پاس آجانا۔ ایک جوڑا دہوتی کے سوا اور کچھہ سامان ساتہہ نہ لانا۔

اناتھہ شرن

رات کو ایک بجے اناتھہ بیوی کو چوری چوری لیکر گہر سے نکل گیا۔

۴

اسکے دو روز بعد جب اناتھہ شرن مندا سمیت دن کے بارہ بجے پاڈوا بازار میں بیل گاڑی سے اترا

تو اس وقت سخت دھوپ پڑ رہی تھی۔ دونوں کا بدن پسینہ سے شرابور ہو رہا تھا۔ گاڑی کا کرایہ چکا کر اناتھ ایک دکان میں داخل ہوا۔ دکان کی مالک ایک عورت تھی جس نے ان کے بیٹھنے کے لئے چٹائی بچھا دی اناتھ تو وہیں بیٹھ گیا اور مندا کو ایک خادمہ مکان کے دوسرے حصہ میں جہاں عورتیں تھیں لے گئی۔ گھر کے پچھلی طرف برآمدہ تھا برآمدہ کے پیچھے ایک بڑی خوش نما باؤلی تھی جس میں صاف شفاف سرد پانی لہریں لے رہا تھا۔ مندا کا جسم گرمی سے تپا ہوا اور حلق مارے پیاس کے خشک تھا۔ نوکرانی کو بازار کسی کام پر بھیجکر آپ نہانے کیلئے باؤلی میں اتری۔ ابھی اس نے پورے طور سے آرام نہ کیا تھا اور پسینہ بھی اچھی طرح خشک نہ ہونے پایا تھا نوکرانی کی واپسی تک قریباً آدھ گھنٹہ پانی کے اندر ہی بیٹھی رہی۔ نوکرانی کے آنے پر مندا نے اٹھکر بدن کو پونچھا اور کھانا تیار کرنے لگی۔ اس خلاف ورزی قانون فطرت کی سزا ملنے میں کچھ دیر نہیں لگی۔ کھانا تیار کرنے کے بعد فوراً ہی اسے صد درجہ کا تیز بخار ہو گیا

اس اثناء میں اناتھ نہا دھو کر اسٹیشن پر ریل گاڑی کا وقت معلوم کرنے اور سیمنت کو تار دینے چلا گیا تھا۔ لوٹ کر دیکھا تو یہ حال پایا۔ مندا کے بدن پر ہاتھ رکھا تو بخار کے مارے جل رہا تھا۔ آنکھیں سُرخ تھیں۔ لیکن سردی سے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ ساتھ نہ اوڑھنا تکیہ اور نہ بچھونا۔ مندا کیا اوڑھتی اور کیا بچھاتی۔ اناتھ نے کہا" ذرا ٹھہرو میں کمبل مانگ کر لاتا ہوں۔ اسے اوڑھ بچھا لینا"۔ مندا بولی" پہلے آپ کھانا کھا لیجئے۔ پھر میں بھات پروس دوں پھر لیٹوں گی"۔ اناتھ کہنے لگا" پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟ اس حالت میں کیا بھات پروسو گی؟ تم کو اتنی تکلیف ہے۔ اس حالت میں میرا کھانا کھانے کو خاک جی چاہیگا"۔

مندا کانپتے کانپتے کہنے لگی" مجھکو تکلیف ہے تو کیا۔ میری خاطر سے آپ بھوکے رہیں گے؟ پہلے ہی دو روز وقت پر کھانا نہ ملنے سے چہرہ آدھا رہگیا ہے"

اناتھ دوکان والی سے ایک تکیہ اور دو تین کمبل مانگ لایا۔ ان کو بچھا کر مندا سے کہنے لگا۔ "آؤ لیٹ جاؤ"۔

مندا بولی" تمہارے بنا کھائے میں نہ لیٹونگی"

اناتھ نے اسکی بات پر توجہ نہ دی اور اسے بچھونے پر لٹا دیا۔ مندا بیہوش پڑی تھی۔ مگر اس بیہوشی کی حالت میں بھی اس نے دو تین بار کہا " بھات پروس کر کھا لیجئے۔ ٹھنڈا کھانے سے طبیعت خراب ہو جائے گی"۔ مگر اس کے بعد جب بیہوشی زیادہ ہو گئی۔ تو چپ چاپ پڑی رہی تین دن تک اس زور کا بخار چڑھا کہ مندا کو دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی۔ تیسرے روز آنکھ

کھولی تو دیکھا کہ اناتھ بچھونے کے پاس بیٹھا ہے۔ مندا کو ہوش میں آتے دیکھ کر اناتھ نے کہا" مندا آج طبیعت کا کیا حال ہے؟"

مندا نے جواب دیا" اچھی ہے۔ آپ نے بھات کھایا؟"

بات کرتے کرتے ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ وہ دکان ہے نہ وہ مکان فرش کے بجائے پلنگ پر لیٹی ہوئی ہے۔ کہنے لگی" میں کہاں پڑی ہوں؟"

اناتھ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا" مندا مجھے امید نہ تھی کہ پھر تم سے بات کر سکونگا۔ یہ ایک زمیندار کا گھر ہے اور تم تین دن سے اس حالت میں پڑی ہو۔"

مندا نے حیران ہو کر کہا" تین دن؟"

اناتھ بولا" ہاں مندا تین دن! تم بے ہوش تھیں۔ اگر اب بھی تم کو بچا سکونگا تو سمجھونگا کہ میری سب کوششیں بارآور ثابت ہوئیں۔"

مندا کچھ عرصہ خاموش رہی۔ پھر مدہم آواز سے کہنے لگی" میں تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔"

اناتھ بولا" کہو جو کہنا چاہتی ہو۔"

حسرت آمیز لہجہ میں مندا کہنے لگی" مجھے بچانے کی کوشش نہ کرنا۔"

اس بات کو سن کر اناتھ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ لیکن اس نے جی کڑا کر کے کہا" چھی! مندا ایسی بدشگونی منہ سے نہ نکالو۔ تم اچھی ہو جاؤگی۔ میں جس طرح بھی بن پڑیگا۔ تمہیں بچانے کی کوشش کرونگا"

مندا کے ہونٹ کانپنے لگے۔ آنسوؤں سے ڈبڈبائی آنکھوں سے اناتھ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی" مجھے بچا کے کیا کروگے۔ نہیں اب مجھے چلنے ہی دو۔"

اناتھ بولا" نہیں میں تمہیں نہ جانے دونگا۔"

" مجھے بچا کر کیا کروگے؟"

" تم سے پیار کرونگا۔"

ان الفاظ میں خدا جانے کیا برقی طاقت چھپی ہوئی تھی۔ کہ مندا انہیں برداشت نہ کر سکی۔ اس کا دماغ چکرانے لگا اور وہ بیہوش ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر آیا۔ اناتھ نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا اور کہنے لگا" دوپہر کی دوا بڑی مفید ثابت ہوئی۔ اسے ہوش آگیا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتی رہی ہے۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا" اب کچھ فکر کی بات نہیں۔ دو دن میں بخار بالکل دور ہو جائے گا۔ لیکن آپ کو

واقعہ میں بڑی تکلیف ہوئی ۔ تین دن سے بغیر کھائے پیئے ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ آپ اپنی پتنی پر یم بہت کم لوگوں میں دیکھا جاتا ہے ؟

اناتھ دل میں تو شرمسار ہوا۔ مگر بظاہر کہنے لگا ۔" یہ تو آخر میری عورت ہے ۔ کوئی اور شخص ہوتا تو بھی میں اسی طرح خدمت کرتا ۔ آپ نے جس توجہ سے اس کا علاج کیا ہے ۔ اس کا شکریہ میں کیونکر ادا کر سکتا ہوں ؟"

ڈاکٹر نے جواب دیا ۔" یہ آپ کا حسن ظن ہے ۔ ورنہ ہمارا تو یہ پیشہ ہی ہے ۔"

اناتھ کہنے لگا ۔" آپ ان الفاظ کے استعمال سے میری ممنونیت کو دوبالا کئے دیتے ہیں ۔ اگر آپ مہربانی سے باغیچہ کی کوٹھڑی نہ کھلوا دیتے ۔ تو میری بیوی دکان میں کمبل پر پڑی کے روز زندہ رہ سکتی تھی ؟"

اس پر ڈاکٹر نے کچھ جواب نہ دیا اور کچھ اور ذکر چھیڑ دیا ۔ پھر کچھ دوائی وغیرہ تجویز کر کے چلا گیا اس روز رات کے ۱۰ بجے مندا کا بخار اترا ۔ رات بھر اچھی طرح سوئی اناتھ بھی اس کے پاس لیٹا ہوا کئی روز کے بعد خوب اچھی طرح بے فکری کی نیند سویا ۔

## ۵

صبح کے وقت جب ڈاکٹر مریضہ کی حالت دیکھنے آیا ۔ تو مندا کو اس قدر ہوش تھا کہ اس نے کپڑے سے منہ ڈھک لیا ۔ بخار اتر جانے کی خبر سنکر ڈاکٹر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا " اب ان کا علاج صرف یہی ہے کہ ان کا جی ہر طرح پرچایا جائے ۔"

اس کے چلے جانے پر اناتھ نے مندا کو دوا پلائی ۔ دوا پینے کے بعد مندا نے پوچھا ۔

" اتنے دنوں جو میں بیہوش رہی تم کیا کھاتے رہے ؟"

اناتھ نے جواب دیا ۔" ڈاکٹر کے اس کھانے کو آجایا کرتا تھا ۔"

مندا کہنے لگی ۔" ذرا تم بھی دیکھو تو سہی چہرہ کیسے اتر گیا ہے ۔ بدن بھی سوکھ کر آدھا رہ گیا ہے ۔ میں ہی تمہاری ان تکالیف کا باعث ہوں ۔ میرے لئے کیوں تم نے اتنی دقتیں اٹھائیں ؟"

اناتھ ہنسکر بولا ۔" اگر میں بیمار ہوتا ۔ تو کیا تم میرے لئے ایسی قدر نہ کرتیں ؟"

بچھونے کی طرف دیکھ کر مندا کہنے لگی ۔" کیسی باتیں کرتے ہو ۔ تمہارے دشمن بیمار ہوں ۔"

اناتھ نے محبت سے مندا کا بازو ہاتھ میں لیکر کہا ۔ خیر دوست دشمن کا سوال جانے دو ۔ اگر میں بالفرض بیمار ہو گیا ہوتا ۔ تو تم کچھ کرتیں یا نہیں ؟

"کرتی کیوں نہ؟"

"کیوں؟"

مندا شرماتے ہوئے بولی "آپ میرے سوامی ہیں"

اناتھ نے مندا کا ہاتھ دبا کر کہا "تم میری استری ہو"

مندا حیران ہو کر بولی "کب سے؟"

اناتھ نے جواب دیا "جس دن سے تمہیں پیار کیا"

مندا کچھ تھوڑی دیر چپ رہی۔ پھر بولی "آپ تو برہم ہیں۔ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے"

اناتھ کہنے لگا "میں مانتا ہوں۔ میں برہم ہوں۔ اور جھوٹ نہیں بولتا۔ واقعی میں تم سے محبت کرتا ہوں"

مندا بولی "مگر اس دن تو کہتے تھے۔ میں تم سے محبت نہیں کرتا"

اناتھ چپ ہو رہا۔ وہ اس کا کیا جواب دے سکتا تھا؟ پھر تھوڑی دیر بعد کہنے لگا "تم بھی تو مجھ سے محبت نہیں کرتیں"

"کیسے جانا؟"

"تم بیاہ کا رشتہ توڑنے پر رضامند تھیں۔ اسی لئے تو کلکتہ چلنے کو تیار ہوئیں"

مندا ہنس کے بولی "پھر تو تم خوب سمجھے"

"کیوں؟"

"تم سمجھے ہوگے۔ میں خود جانا چاہتی تھی۔ نہیں! مجھے پرانی دائی نے تمہارے ساتھ بھیجا ہے"

"اسکی یہ مرضی ہوگی کہ تمہاری دوسری شادی ہو جائے"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ بر بھی اچھا تلاش کیا تھا"

"کس کو؟"

"جمراج کو"

اناتھ ہنسنے لگا۔

مندا بولی "دائی نے کہا تھا جیسے طرح اناتھ تم کو چوری کر کے گھر سے لئے جاتا ہے۔ اسی طرح راستہ میں تم نے بھی اس کے بن پر ڈکیتی کرنا۔ اگر نہ کر دو تو ....."

اناتھ بات کو کاٹ کر بول اٹھا "اچھی دوسرے بیاہ کی تیاری کی کہ راستہ ہی میں ڈاکہ ڈالا"

مندا کہنے لگی "وہ پریم کا بیاہ نہ تھا۔ اسی لئے ہوتے ہوتے رہ گیا۔ تم کہتے ہو ڈاکہ ڈالا بھلا بتا دو کیسے"

"یہ سب بعد میں کہونگا"

"نہیں، نہیں ابھی بتاؤ"

"خیر تو سنو جس دن تم مجھیک میں میرے پاؤں تلے سوئیں اس روز اس ڈکیتی کا آغاز ہوا پھر اس کا سلسلہ راستہ بھر جاری رہا۔ چانکیہ پنڈت نے اپدیش دیا ہے "گھرت کنبہ سمان ناری" (عورت گھی کے بھرے ہوئے منوئیں کے مانند ہے) اور "تپتا نگار سم پرش" (مرد دہکتے ہوئے کوئیلے کے مانند ہے) دونوں کا ایک جگہ رہنا ٹھیک نہیں ہے"

مندا ہنستے ہنستے بولی "تو راستہ بھر اپنا بچاؤ کیوں نہ کیا؟"

اناتھ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اس کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

مندا پھر تیز لہجہ میں کہنے لگی "نگیندر بالا! نگیندر بالا میرے سوا کون ہوگی؟ چلو کلکتہ چل کر دیکھیں تو سہی وہ نگیندر بالا کیسی ہے؟

اناتھ نے جواب دیا "بس اب میں کلکتہ نہ جاؤنگا۔ البتہ تمہاری صحت بحال کرنے کی غرض سے مغرب کی سیاحت کروں گا"

مندا نے بظاہر اسکی بات پر بالکل توجہ نہ دی اور کہنے لگی "کیا سچ مچ وہ تمہیں چاہتی ہے؟ اگر بیاہ ہے۔ تو اسے بڑا رنج ہوگا"

"وہ مجھکو چاہتی ہے یا نہیں یہ بات وہ جانے یا اس کا ایشور"

"اس نے کبھی کہا نہیں اور نہ آپ نے کبھی پوچھا؟"

"ہاں اس کے ساتھ یہ بات کبھی نہیں ہوئی"

"یہ تو وہ جانتی ہوگی کہ تم اس سے پیار کرتے ہو؟"

"کیسے جان سکتی ہے؟"

مندا نے بڑی متانت سے جواب دیا "وہ نہ جانے آپ تو اس سے پیار کرتے تھے"

اناتھ بولا "کہاں پیار کرتا تھا۔ اگر اس سے پیار ہوتا۔ تو تم ایسی جلدی مجھے کیونکر مغلوب کر سکتیں؟ اس سے میری صرف منہ دیکھے کی محبت تھی۔ اندرونی محبت تھی۔ اس کے علم۔ ذہانت اخلاق آداب گفتگو اور حسن ان باتوں نے مجھے مفتون کر رکھا تھا۔

اس کے دو روز بعد مندا کی صحت خاصی روبا صلاح ہوگئی اور دونوں انہوں نے باغیچہ میں بڑی خوشی سے گذارے

آج شام کو ڈاکٹر صاحب کے ہاں کھانا کھانے کے بعد دونوں نے صبح کی گاڑی سے منگیر جانیکا ارادہ کر رکھا تھا۔

شام سے پیشتر اناتھ ڈاکٹر صاحب کی بیٹھک میں بیٹھا ہوا تھا کہ اسے ہیمنت کمار کی طرف سے ایک خط ملا۔ اس کا مضمون حسب ذیل تھا:-

برہم کرپا ہی کیولم

کلکتہ
۲۵ جیٹھ منگل وار

پیارے بھائی۔ بہن مندا کنی کی علالت کی خبر سنکر بہت رنج ہوا۔ ایشور اس کو شفائے عاجل دے مجھے بھی آج آپ کو ایک افسوسناک خبر سنانا ہے۔ اس لئے آپ اس کے سننے کو تیار ہو جائیں۔ آپ نے کہا تھا۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ نگیندر بالا مجھے چاہتی ہے اور میں خود بھی یہی سمجھا ہوا تھا۔ مگر کل شام تو اس خیال کی بڑی سختی کے ساتھ تردید ہو گئی۔ میں نے سنا ہے کہ شرت کے ساتھ نگیندر بالا کی شادی کا انتظام پختہ ہو چکا ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ آج سے دو برس پہلے اس طرف دونوں میں محبت چلی آتی تھی اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ جو آپ سمجھا کرتے تھے: نگیندر بالا مجھے چاہتی ہے اور دن بدن اس کی محبت ترقی پر ہے یہ محض ایک غلط خیال تھا۔ میں حیران ہوں۔ آپ اس سخت اور حوصلہ شکن صدمہ کو کیونکر برداشت کر سکینگے؟ آپ (اور شاید میرا یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ ہم) ایک اور غلط فہمی میں بھی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ برہم سماج کے قواعد اس شادی کو کسی صورت میں فسخ نہیں کر سکتے۔ جو ہندو ریتی کے مطابق ہوئی ہو۔ کیا اب آپ کلکتہ آئیں گے؟ اگر آپ بہن کی صحتیابی کے بعد چار پانچ روز کے اندر اندر بھی یہاں آسکیں۔ پھر بھی وہ ملازمت جس کا حوالہ میں اپنی پہلی چھٹی میں دے چکا ہوں نہ مل سکے گی۔ میری رائے تو یہ ہے کہ بہن کو گھر بھیجکر کچھ دنوں کے لئے ہمالیہ پربت کے کسی سنسان مقام پر ریاضت و عبادت کے ذریعہ اطمینان قلب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

آپکا صادق
ہیمنت کمار سنگھ

رات کے ۹ بجے ڈاکٹر صاحب کے مکان پر سے لوٹ کر اناتھ نے یہ خط اپنی استری کو دکھایا۔ مندا نے پڑھا اور ہنسکر بولی "تو اب میرا غصہ نگیندر بالا پر نہیں ہے۔ منگیر چل کر کیا کرینگے۔ چلو کلکتہ چلیں نگیندر بالا کا بیاہ دیکھیں گے۔"

اناتھ نے کہا "خبر ملنے سے منگیر جانے سے ایک فائدہ تھا۔ ... نگیندر بالا کو بھول جاتا"
یہ سنکر مندا کنی نے نخوت آمیز لہجہ میں کہا "وہ پہلے ہی یہ بات صاف صاف کیوں نہ کہدی؟"

تم نہ بتے تھے ۔ تمہاری صحت کی خاطر اس طرف کو جاؤں گا۔"

اندھیرے میں ایک ببول کے پیڑ پر کریل بیٹھی تھی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ کہ وہ انسان کی بات سمجھنے کا ملکہ رکھتی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ منداکنی کی بات سُن کر اس نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا ۔ اناتھہ نے منداکنی کو چھاتی سے لپٹا کر اس کے منہ کو بوسہ دیا ۔ اور کہنے لگا " نہیں نہیں ۔ میری جان یہ بات نہ تھی ۔"



# گنگا کے گھاٹ کی سرگذشت

بابو رابندرا ناتھ ٹیگور کے قلم سے

## ۱

جس طرح فوٹو کے پلیٹ پر صورتوں کے عکس آجاتے ہیں اسی طرح واقعات کے نقش اگر پتھروں پر منقوش ہونے ممکن ہوتے تو تم میری ایک سیڑھی پر سے ہزارہا سال کے واقعات پڑھ سکتے تھے۔ مگر تم زمانۂ گذشتہ کی داستانیں سننا چاہتے ہو۔ تو میری اس سیڑھی پر بیٹھ جاؤ۔ اور پانی کی گڑگڑاہٹ پر کان لگاؤ تو سالہائے دراز کی بہت سی بھولی ہوئی کہانیاں تمہیں سنائی دیں گی۔

آہ! مجھے یاد ہے۔ گویا کل کی سی بات ہے۔ اسوج کا مہینہ شروع ہونیوالا تھا۔ نسیم سحر کے ہلکے اور خوشگوار جھونکوں میں برائے نام خنکی پیدا ہو چلی تھی۔ جو سحر خیز انسانوں کو نئی زندگی دے رہی تھی درختوں کے پتے کبھی کبھی بے معلوم سی سرسراہٹ معلوم کرتے تھے دریا پوری طغیانی پر آیا ہوا تھا۔ میری صرف چار سیڑھیاں پانی سے باہر تھیں۔ گویا خشکی اور پانی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے برابر کھڑے تھے۔ پانی ساحل کے نشیبی حصوں میں بھی داخل ہو گیا تھا۔ جہاں آموں کے جھنڈوں کے نیچے کاچو کے پودے بہار دکھا رہے تھے۔ دریا کے اس طرف پرانی اینٹوں کے تین تودے جزیروں کی شکل میں نمودار تھے۔ ننکاری کشتیاں کنارہ پہ درخت کے تنے سے بندھی ہوئی صبح کے جوار بھاٹے میں ہچکولے لے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لہریں جوانی کے نشے سے مست ہو کر اٹھکھیلیاں کر رہی ہیں اور پیار سے تھپیڑے لگا رہی ہیں۔ ابتدائی موسم خزاں کی دھوپ دریا کے سطح پر منعکس ہو کر کندن کی طرح رنگت یا چمپا کی کلیوں کی طرح چمکتی تھی اور کسی موسم کی دھوپ میں یہ رنگت نظر نہیں آسکتی۔ رام رام کا جپ کرتے ہوئے ملاحوں نے کشتیوں کے لنگر اٹھا دیئے ہیں اور ان چھوٹی کشتیوں کے بادبان آفتاب سے منور پانی کی سطح پر اڑے جاتے ہیں جس طرح کہ پرندے نیلگوں آسمان میں اپنے پر پھیلائے ہوئے خوش خوش روشنی کی طرف جاتے ہوں۔ ان کشتیوں کو آسانی کے ساتھ پرندوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ وہ ابابیلوں کی طرح چلاتی پھرتی ہیں صرف ان کے بادو ہوا میں اڑتے ہیں۔ برہمن دیوتا ٹھیک وقت پر اپنا پوجا کا سامان لئے ہوئے اشنان کرنے آرہے ہیں اور عورتیں دو دو تین تین کی ٹولیوں میں پانی بھرنے آرہی ہیں۔

بہت زمانہ نہیں گذرا تھا۔ تم اسے کتنا ہی زیادہ عرصہ کہہ لو۔ لیکن میرے نزدیک وہ حال ہی کی سی بات ہے۔ میری عمر دست لہروں کے ہاتھ کھیلنے میں بسر ہوئی ہے۔ میں صدیوں سے ان کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔

اور اسی وجہ سے وقت گذرتا ہوا مجھے محسوس نہیں ہوتا۔ ہر روز میرا سفید عکس دریا میں منعکس ہوتا ہے اور ہر رات کو میرا سایہ پانی میں پڑتا ہے لیکن دوسرے دن غائب ہو جاتا ہے اور اس کا کچھ نشان باقی نہیں رہتا اور یہی سبب ہے کہ اگرچہ میں بڈھا معلوم ہوتا ہوں لیکن میرا دل جوان ہے۔ سالہا سال کے واقعات کی یاد نے مجھ پر کائی کی طرح غلبہ نہیں کیا۔ اور مجھے دھوپ سے محروم نہیں کر دیا ہے اور اگر کبھی کسی دوسری جگہ کائی کا کوئی ٹکڑا مجھے آ چمٹتا ہے تو ایک ہی لمحہ بعد دریا کی لہر اسے بہا لیجاتی ہے تاہم میں کائی سے بالکل آزاد نہیں ہوں میرے بعض سوراخوں میں جہاں تک دریا کی لہر نہیں پہنچ سکتی ہے۔ کائی نے اپنا گھر بنا لیا ہے اور وہ کہن سالی کی گواہ ہے اس نے زمانہ قدیم کو مضبوطی سے باندھ رکھا ہے اور مجھے ہمیشہ تازہ ہمیشہ نیا اور ہمیشہ خوشگوار بنا رکھا ہے اس موسم میں ہر سال دریا مجھ سے گریز کرنے لگتا ہے۔ ہر روز ایک سیڑھی پانی سے خالی ہو جاتی ہے اور ایک ایک سنگین قدم کے اعتبار سے میری عمر بڑھ جاتی ہے۔

دیکھئے! وہ چکرورتی خاندان کی دادی صبح کا اشنان کر کے سردی میں ٹھٹھرتی ہوئی جپ کرتی گھر کو جا رہی ہے مگر اس بڑھیا مائی کی دادی بھی کسی زمانہ میں ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ جو ہر روز گھرت کماری کے پتے دریا میں بہا کر خوش ہوا کرتی تھی۔ اور میرے دائیں طرف جو دریا میں ایک چھوٹا سا بھنور ہے آیا ان پتوں کو چکر کاٹتے ہوئے دیکھتی رہتی تھی۔ مگر تھوڑے عرصہ بعد وہ بچوں کی ماں بن گئی اور اپنی چھوٹی لڑکی کے ساتھ پانی بھرنے آیا کرتی تھی۔ تھوڑے دن اور گذرے ہونگے کہ وہ لڑکی بھی جوان ہو گئی۔ جوان چھوٹی لڑکیوں کو سزا دیتی اور نصیحت کیا کرتی تھی جو دریا میں کلیلیں کرتی یا پانی کے چھینٹے اڑایا کرتی تھیں پھر مجھے ان کی دلوی کا بچپن میں پتوں کا دریا میں بہانا یاد آجایا کرتا تھا۔ اور مجھے بڑی ہنسی آتی۔ اب میں جو سنانا چاہتا ہوں اس کا بیان کرنا مشکل ہے کیونکہ جب میں ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں تو تھوڑا ہی عرصہ بعد بیان میں ایک ایسا خیال پیش آتا ہے اور فوراً ہی گذر جاتا ہے یہاں میں کسی کو باندھ کر نہیں رکھ سکتا ہاں ایک دو واقعات ایسے بھی ہیں جو گھرت کماری کے پتوں کی کشتیوں کے بھنور میں چکر کھانے کی طرح بار بار مجھے یاد آجاتے ہیں۔ ویسا ہی ایک واقعہ آج میرے دل پر چکر لگا رہا ہے اور وہ اپنی داستان خود سنانے کو بیتاب ہے۔ اگرچہ وہ ایک بہت چھوٹا سا واقعہ جیسے کہ کاغذ کی کشتیاں ہوتی ہیں جن میں سوائے دو چھوٹے سے جوڑوں کے اور کچھ سامان لدا ہوا نہیں ہوتا اور جیسے وہ کاغذی کشتیاں بھنور میں ڈوب جاتی ہیں۔ تو چھوٹی لڑکی جس نے ان کو دریا میں چھوڑا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر گھر کو چل دیتی ہے۔

مندر کے قریب جہاں تم گوشائیں کی گوشالہ دیکھتے ہو۔ ایک بڑ کا درخت تھا۔ ہفتہ میں ایک روز یہاں میلہ لگا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں گوشائیں نے یہاں سکونت اختیار نہیں کی تھی۔ اور صرف درخت کے پاس سے چھتا ہوا ایک چھپر تھا جہاں آج کل وہ عظیم الشان مندر بنا ہوا ہے۔ یہ بڑ کا درخت جس نے اپنا ہاتھ میری پسلیوں میں ڈال رکھا ہے جس نے اپنی لمبی اور سخت جڑوں کی انگلیوں سے میرے شکستہ سنگین دل کو دبا یا ہوا ہے۔ اس زمانہ میں ایک ننھا سا پودا تھا۔ اس نے ابھی زمین سے سر نکالا ہی تھا دھوپ کے وقت اس کے پتوں کا سایہ میری سطح پر کھیلا کرتا تھا۔ اور اس کی نرم نرم جڑیں بچے کی انگلیوں کی طرح میرے سینے سے چمٹی رہتی تھیں اگر کوئی شخص اس کا پتہ بھی توڑتا تو مجھے صدمہ ہوتا تھا۔ اگرچہ میں بڈھا تھا۔ تاہم اس وقت تک سیدھا کھڑا تھا۔ اب میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور تمام انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے ہیں ہزار ہا شکن میرے جسم پر پڑ گئے ہیں دنیا بھر کے مینڈکوں نے جاڑوں کی لمبی نیند کے لئے میرے سوراخوں میں گھر بنا لیا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں میری یہ افسوسناک حالت نہ تھی میرے بائیں پہلو سے صرف دو اینٹیں گری تھیں جس کی وجہ سے سوراخ بن گیا تھا جس میں ایک چڑیا نے گھونسلا بنا لیا تھا۔ طلوع آفتاب کے وقت جب وہ بیدار ہوتی۔ تو پہلے کی طرح اپنی دم کو ادہر ادہر حرکت دیکر گاتی ہوئی اڑ جاتی اس وقت مجھے معلوم ہو جاتا تھا۔ کہ ایک چھوٹی لڑکی اشنان کرنے آنیوالی ہے

دوسری لڑکیاں اسے کسم کہتی تھیں کیونکہ یہی اس کا نام تھا جب اس کے چھوٹے سے جسم کا عکس پانی پر پڑتا تو میری یہ آرزو ہوتی کہ وہ دیر تک قائم رہے اور وہ میرے پتھر دل پر نقش ہو جائے وہ ایسی سندر تھی کہ جب وہ اپنا قدم میری سطح پر رکھتی اور اس کے چار دانے بچھوؤں کی جھنکار پیدا ہوتی۔ تو میرے کائی آلود دامن میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی نہ تو وہ زیادہ کھیلتی تھی نہ زیادہ بولتی تھی نہ ضرورت سے زیادہ اشنان ہی کرتی۔ ایک بات عجیب تھی کہ اسکی سہیلیاں بیشمار تھیں تمام طرار لڑکیاں اس کے ساتھ رہا کرتی تھیں بعض اس کو کسی نام سے پکارتی تھیں۔ بعض اس کو خوشی کہتی تھیں اور بعض راکھشی۔ مگر اسکی ماں اس کو کسمی کہا کرتی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو اکثر پانی کے کنارے بیٹھا دیکھا۔ وہ پانی کے نظارہ کی بہت شایق تھی۔ کچھ عرصہ بعد کسم نے دریا پر آنا ترک کر دیا۔ اسکی دو سہیلیاں بھوبن اور سارن ایک روز گھاٹ پر بیٹھی ہوئی اس کی جدائی کا افسوس کر رہی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ کسم اپنے شوہر کے گھر چلی گئی ہے وہ جگہ دریا سے بہت دور ہے جہاں بالکل اجنبی جگہ اجنبی رستے اور اجنبی آدمی ہیں۔ گویا ایک کنول کے پودے کو کسی باغ میں لگانے کو بھیج دیا اس بات کو ایک سال گذر گیا۔ گھاٹ پر آنے والی عورتیں اب کسم کا بہت کم ذکر کرتی تھیں لیکن ایک شام کو اچانک میں نے ان قدموں کو محسوس کیا جن سے میں عرصہ دراز تک آشنا رہا تھا۔ میں نے

خیال کیا کہ کسم کی چال ہے۔ بیشک وہی تھی مگر افسوس ہے کہ اس کے پاؤں اب بچھوؤں سے خالی تھے اس کی وہ خوش گوار آواز جاتی رہی تھی جو کہ میں بہت دنوں تک بچھوؤں کی جھنکار کے ساتھ اسکے پاؤں کی آہٹ سنتا رہا تھا جب اس روز دو مجھے سنائی دی تو پانی کی گڑگڑاہٹ میرے کانوں میں صدائے ماتم محسوس ہوئی اور آس پاس کے جھنڈوں میں پتوں کی سرسراہٹ ہوا کی آہ وزاری معلوم دینے لگی۔

## ۳

کسم اب بیوہ ہو گئی تھی۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کا شوہر کسی دور دراز جگہ ملازم تھا اور وہ اس سے صرف ایک دو دفعہ ملی تھی۔ دفعتہً ایک چٹھی شوہر کی وفات کی خبر لائی اور وہ ۸ سال کی لڑکی بیوہ ہو گئی۔ اس نے سیندور ماتھے سے اتار دیا۔ جو سہاگ کی نشانی ہوتی ہے۔ تمام زیور بڑھا دیا۔ اور اپنے والدین کے گھر چلی آئی۔ لیکن اس نے اپنی بہت کم سہیلیوں کو یہاں پایا۔ بھوبن سوارن اور املا کی شادی ہو چکی تھی۔ اور وہ اپنے سسرال چلی گئی تھیں صرف سرت باقی تھی۔ لیکن دسمبر میں اسکی بھی شادی ہونے والی تھی۔ اب کسم بالکل تنہا تھی۔ وہ اکثر اپنا سر زانوؤں پر رکھے ہوئے چپ چاپ میری سیڑھیوں پر بیٹھی رہتی تھی۔ اور میں خیال کرتا تھا کہ دریا کی لہریں اسے کسم کسم کر کے پکارتی تھیں۔ جس طرح موسم برسات میں گنگا پورے چڑھاؤ پر آجاتی ہے۔ اسی طرح کسم روز بروز حسن اور جوانی میں ترقی کرنے لگی۔ لیکن اس کی ساری اس کے اداس چہرہ اور خاموش رویہ نے اسکی جوانی اور شباب کو عوام کی نگاہ سے چھپا یا ہوا تھا کسی نے خیال نہ کیا۔ کہ کسم جوان ہو گئی ہے بلکہ مجھے بھی ذرا محسوس نہ ہوا۔ میرے لئے تو وہی چھوٹی سی لڑکی تھی۔ جو پہلے تھی۔ اس کے پاؤں میں بچھوے نہ تھے۔ لیکن جس وقت وہ چلتی تھی تو میں عالم خیال میں ان کی آواز سنتا تھا۔

اس طرح سے دس سال گذر گئے اور گاؤں والوں میں سے کسی نے بھی وقت کے گذر جانے کو محسوس نہ کیا۔ اس سال ستمبر کے آخر میں آج کا سا ایک دن آیا۔ تمہاری دادیوں نے حسب معمول خوش نما صبح کو دیکھا جیسا کہ تم آج دیکھ رہے ہو۔ وہ گاؤں کی پُرفضا گلیوں سے گلسے بغل میں دبائے ہوئے باتیں کرتی ہوئی پانی بھرنے آئیں۔ اس وقت تمہارے دنیا میں آنیکا انہیں خیال تک نہ تھا۔ آج کے دن تم پورے طور پر اس بات کو ہرگز دھیان میں نہیں لا سکتے۔ کہ تمہاری دادیاں جبکہ وہ چھوٹی لڑکیاں تھیں کیسے زمانہ میں ادھر ادھر دریا کے کنارے دوڑا کرتی تھیں۔ اور وہ دن ایسا ہی اصلی اور حقیقی تھا۔ جیسا کہ آج کا دن اور وہ بھی تمہاری طرح اپنے چھوٹے چھوٹے نازک دلوں میں رنج اور خوشی محسوس کیا کرتی تھیں اور ان کے لئے یہ بات ناممکن الخیال تھی۔ کہ دھوپ سے منور موسم خزاں کا دن ایک ایسا بھی آئیگا۔ جبکہ ان کی ہتھیلیاں ہمیشہ جھکی ہونگی اور جبکہ ان کے رنج و راحت کا ہر ایک نشان گم ہو چکا ہوگا

## ۴

اس روز طلوع آفتاب کے وقت سے ہی اُتر کی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ اور کبھی کبھی پیپل کے چند پتے میری سیڑھیوں پر گراتی تھی رات کی شبنم کے نشان کہیں کہیں میرے سنگین جسم پر موجود تھے۔ اس صبح کو ایک بلند بالا خوبصورت گورے رنگ کے سنیاسی نے میرے سامنے شیوجی کے مندر میں آکر قیام کیا۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے آیا تھا۔ گاؤں میں اس کے آنے کی دھوم مچ گئی۔ عورتوں نے اپنے کلسے رکھ دیئے۔ اور سادھو کو نمسکار کرنے کیلئے مندر میں جمع ہو گئیں۔ ہر روز خلقت کا ہجوم سادھو کے درشنوں کے لئے بڑھتا جاتا تھا۔ وہ سنیاسی تھا نہایت بے نظیر خوبصورت جوان۔ وہ بڑا خوش خلق تھا۔ بچوں کو گودی میں اٹھا لیتا۔ عورتوں سے اُن کے گھر کے حالات دریافت کرتا۔ کچھ عرصہ میں تمام عورتیں اس کی معتقد ہو گئیں۔ بہت سے مرد بھی اس کے پاس آتے تھے۔ کسی روز وہ بھاگوت کی کتھا کرتا اور کسی روز گیتا کی اور کسی دن کسی اور شاستر کا اپدیش سناتا بعض اس سے اپنی مشکلات میں مشورہ لیتے بعض کسی کتاب کا سبق اور بعض دوا دارو لیجاتے۔ اس کی صورت پر ایسا جلال تھا۔ گویا مہادیو جی انسان کی صورت اختیار کر کے خود اپنے مندر میں اُتر آئے ہیں۔ جب پو پھٹنے سے پہلے سنیاسی چھاتی تک پانی میں کھڑا ہو کر اور صبح کے تارہ کی طرف نظر جما کر سریلی آواز میں وید منتر پڑھتا تو پانی کے شور و غل کی طرف سے میں اپنا دھیان ہٹا لیتا۔ جب گنگا کے مشرقی کنارہ کے اوپر کے آسمان پر شفق نمودار ہوتی اور بادلوں کے کناروں پر سُرخ سنجاف لگاتی تو رات کی تاریکی غنچہ کی چٹک کی طرح دور ہوتی اور صبح ایک پھول کی طرح اپنی سُرخ جھلک آہستہ آہستہ آسمان کی جھیل میں کھلاتی ہوئی آتی۔ پھر درختوں کی چوٹیاں اُفق پر صاف نظر آنے لگتیں۔ ہوا بیدار ہوتی۔ آسمان کی رنگت خاکی ہونے لگتی اور آخر میں ایک نامعلوم علاقہ سے درختوں کی اوٹ میں صبح کا اشنان کر کے پوتر سورج قدم بقدم آسمان پر چڑھنا شروع کرتا۔ میرا خیال یہ تھا کہ چونکہ وہ مہارشی پانی میں کھڑا ہو کر مشرق کی طرف منہ کر کے پُر تاثیر منتر پڑھتا تھا۔ اس کے ہر ایک لفظ سے رات کا پردہ پھٹ جاتا تھا۔ چاند اور ستارے مغرب میں ڈوب جاتے اور سورج مشرق میں نمودار ہو کر دنیا کا نقشہ بدل دیتا تھا۔ یہ سنیاسی کیا کرامتی تھا۔ اشنان کر کے جب وہ دریا سے نکلتا تو آگ کے شعلہ کی طرح اس کا سڈول اور مقدس جسم چمکتا اس کے بالوں کی لٹوں سے پانی کے قطرے ٹپکتے تھے اور نئے سورج کی روشنی اس کے جسم سے ٹکرا کر واپس آتی

کئی مہینے گذر گئے۔ اپریل کے مہینے میں سورج گرہن پڑا۔ بہت سے جاترو گنگا میں اشنان کرنے آئے۔ اور پیپل کے درخت کے نیچے میلہ لگا۔ بہت سے جاتری سنیاسی کو دیکھنے آئے۔ ان میں اس گاؤں کی بھی کچھ عورتیں تھیں جہاں کُسم بیاہی گئی تھی۔ صبح کا وقت سنیاسی میری سیڑھیوں پر بیٹھا جپ کر رہا تھا کہ دفعتہً ایک جاتری عورت نے ایک دوسری عورت سے کہا: "دیکھو تو یہ ہماری کسم کا شوہر ہے؟"

دوسری نے اپنا ذرا سا گھونگٹ ہٹا کر دیکھا اور کہا بیشک وہی ہے

تیسری نے کہا دیکھو تو اسکی آنکھیں اور ناک اور ابرو بالکل ویسی ہی ہیں

لیکن ایک اور عورت نے سنیاسی کو دیکھے بغیر ہی اپنا کلسہ پانی میں بھرتے ہوئے کہا کہ وہ بیچارہ تو کبھی کا مر چکا اب وہ دنیا میں نہیں آئیگا۔ بیچاری کسم کی قسمت۔

ایک اور عورت نے کہا کہ اس کے اتنی بڑی ڈاڑھی ہی نہ تھی۔

دوسری نے کہا کہ وہ ایسا دبلا نہ تھا اور نہ اتنا بلند قد

اس قدر بات چیت کے بعد معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ گاؤں کے سب آدمیوں نے سنیاسی کو دیکھا تھا مگر کسم کو کبھی اس کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے دریا پر ایسے وقت میں جبکہ آدمیوں کا ہجوم ہوتا تھا بند کر دیا تھا۔

ایک روز پورنماشی کی شام کو وہ گھاٹ پر آئی۔ اس وقت گھاٹ پر کوئی نہ تھا جھینگا دڑیں ادھر ادھر گشت لگا رہی تھیں۔ مندر میں گھنٹے اور گھڑیال ابھی بجکر ختم ہوئے تھے۔ گھڑیال کی آخری آواز کی گونج ہلکی ہوتے ہوتے سایہ کی طرح دوسرے ساحل کے گھنے جھنڈوں میں جا کر گم ہو گئی تھی۔ آسمان پر چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ کسم اپنا آنچل چہرہ پر ڈالے ہوئے بیٹھی تھی۔ ہوا بالکل بند تھی۔ درخت ذرا نہ ہلتے تھے۔ اس کے سامنے گنگا کی چادر پر چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے ادھر ادھر جھاڑیوں اور جھنڈوں میں مندر کے سایہ میں کھنڈرات کے دامن میں تالاب کے پہلو میں تاریکی اپنا منہ چھپاتی پھرتی تھی۔ مندر کی چھت سے الو غمگین چیخیں مار رہا تھا۔ مکانات کے قریب گیدڑوں کی پکار کبھی کبھی سنائی دیتی اور سناٹے میں گم ہو جاتی۔ سنیاسی آہستہ سے مندر سے باہر نکلا اور گھاٹ کی چند سیڑھیاں اتر کر اس نے ایک عورت کو تنہا کھڑا پایا۔ وہ واپس جانے ہی کو تھا کہ دفعتہً کسم نے اپنا سر اٹھایا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ساری اس کے سر سے سرک گئی اور جس طرح کہ چاندنی ایک تازہ کھلے ہوئے پھول پر چمکتی ہے۔ اسی طرح وہ اس کے منہ پر درخشاں ہوئی جب اس نے سر اوپر اٹھایا تھا۔ اس وقت دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں گویا انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور انہیں ایسا محسوس ہوا کہ شاید کسی پچھلے جنم میں وہ ایک دوسرے کے واقف تھے یہ میرا خیال تھا۔ ورنہ وہ دونوں ایک لمحہ تک تصویر کی طرح خاموش کھڑے رہے جبکہ چاندنی میں ان کے سائے بھی اسی طرح پر بے حس و حرکت پڑے تھے۔ الو بولتا ہوا ان کے سر پر سے گذر گیا۔ اس کی آواز سنکر کسم چونکی اور ساری کا آنچل سر پر لیا اور اس نے جھک کر سنیاسی کے قدم چھوئے۔

سنیاسی نے اس کو اشیرباد دیکر پوچھا کہ تو کون ہے؟

اس نے جواب دیا کہ میں کسم ہوں۔

اس رات اس سے زیادہ اور کوئی کلام ان کے درمیان نہیں ہوا کسم آہستگی سے لپنے گھر کو روانہ ہوئی۔ لیکن سنیاسی اس رات گھنٹوں تک سیری سیڑھیوں پر بیٹھا رہا۔ آخر جب چاند مشرق سے گشت کر کے مغرب کی طرف چلا گیا اور سنیاسی کا سایہ اس کے پیچھے سے سامنے کی طرف آنے لگا۔ تو وہ کھڑا ہوا اور مندر میں چلا گیا

۵

میں نے دیکھا کہ دوسرے روز سے کسم ہر روز آ کر سنیاسی کو پرنام کرتی اور جب وہ کتھا سناتا تو وہ ایک گوشہ میں کھڑی ہوئی سنا کرتی۔ سنیاسی اپنے صبح کے نت نیم سے فارغ ہو کر کسم کو اپنے پاس بلاتا۔ اور اس سے مذہبی معاملات پر گفتگو کرتا وہ ہندو فلاسفی کے باریک مسایل کو بخوبی نہیں سمجھ سکتی تھی تاہم وہ بڑی توجہ سے خاموشی کے ساتھ سنتی رہتی۔ سنیاسی جس جس طرح اس کو ہدایت کرتا وہ اسکی حرف بحرف تعمیل کرتی۔ وہ ہر روز مندر تک پوجا کرتی۔ مندر کا فرش دھونے کو گنگا کا پانی بھر کر لاتی اور پوجا کیلئے پھول توڑ کر لایا کرتی تھی۔ جو کچھ سنیاسی اس کو تعلیم دیتا۔ وہ سیری سیڑھیوں پر بیٹھکر اس پر غور کرتی۔ رفتہ رفتہ اسکی نظر وسیع ہوتی گئی اور دل کے پٹ کھلنے لگے۔ اس کے دھیان میں وہ باتیں آنے لگیں جو پہلے کبھی نہ گزری تھیں اور وہ کچھ سننے لگی۔ جو پہلے کبھی اس کے کانوں نے نہ سنا تھا۔ اس کے اداس چہرہ سے ملال کی رنگت دور ہو گئی۔ وہ اس پھول کی طرح معصوم اور پاک معلوم ہونے لگی۔ جو صبح کی شبنم سے دھویا ہوا دیوتاؤں کی پوجا کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور جب وہ صبح کے وقت دلی اعتقاد کے ساتھ سنیاسی کے قدموں پر جھکتی تو وہ اس پھول کی مانند معلوم ہوتی۔ جو بھون کنڈ پر چڑھایا گیا ہو۔ پاکیزہ بشاشت نے اس کے سارے جسم کو منور کر رکھا تھا۔

جاڑے کا موسم ختم ہونے کو تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھکڑ چلتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی خلاف توقع جنوب کی طرف سے موسم بہار کی گرم ہوا کا جھونکا بھی آ جاتا تھا۔ شام کے وقت آسمان پر سردی کی سی رنگت باقی نہ رہی تھی بہت عرصہ کے بعد گاؤں سے بانسری اور دوسرے باجوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ ملاح اپنی کشتیاں بجائے رسی کھینچنے کے دھار پر چلانے اور سری کرشن بھگوان کی حمد کے بھجن گانے لگے پرندوں نے بڑی خوشی کے ساتھ درختوں پر چہچہانا شروع کر دیا۔ ان دنوں اس قسم کا موسم تھا۔ کہ موسم بہار کی ہوا نے میرے سنگین دل میں نئی جوانی بھر دی تھی پودوں میں نئے شگوفے پھوٹنے شروع ہو گئے تھے۔ مگر ایسے زمانہ میں کسم نے گنگا پر آنا چھوڑ دیا۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایک شام کو وہ دونوں میری سیڑھیوں پر ملے۔ کسم نے نیچی نظر کئے ہوئے سوال کیا۔ "مہاراج کیا آپ نے مجھے بلایا ہے۔"

سنیاسی نے جواب دیا "ہاں کیا وجہ ہے کہ اب تم نے آنا چھوڑ دیا ہے۔ اب تم نے پوجا کرنا کیوں ترک کر دیا ہے؟"

کسم خاموش رہی۔

سنیاسی نے کہا کہ تم اپنے دل کا سارا حال بے کم و کاست مجھے سناؤ

کسم نے منہ پھیر کر کہا کہ مہاراج میں پاپن ہوگئی ہوں۔ اس لئے پوجا کرنی چھوڑ دی۔

سنیاسی نے بڑی مہربانی کے لہجہ میں کہا کہ کسم میں جانتا ہوں تمہارے دل میں بے اطمینانی ہے

کسم ذرا جھجکی۔ اسے اندیشہ ہوا کہ شاید وہ سب کچھ جانتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ وہ ساڑی کا پلا منہ پر ڈال کر سنیاسی کے قدموں کے پاس بیٹھ گئی اور رونے لگی۔ سنیاسی دو ایک قدم ہٹ گیا اور اس نے کہا کہ اپنی سرگذشت مجھے سناؤ۔ میں تمہیں قلبی اطمینان کی راہ بتاؤنگا

اس نے ایسے لہجہ میں جس کے ایک ایک لفظ سے سچائی ٹپکتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی اس کی زبان رک جاتی تھی۔ جواب دیا کہ اگر آپ حکم دیتے ہیں۔ تو میں ضرور سب حال کہہ سناؤنگی۔ لیکن میں صاف صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکتی۔ مہاراج! آپنے خود ہی قیاس کر لیا ہوگا۔ کہ اصلی معاملہ کیا ہے۔ میں نے ایک شخص کو ایشور سمجھا اور اس کی پرستش کی اور اس کی بھگتی کا جذبہ میرے روئیں روئیں میں بس گیا۔ لیکن ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دل کے مالک نے ایک باغ میں میرا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ سے پکڑ رکھا ہے۔ اور پیار اور محبت کی باتیں کرتا ہے۔ اس وقت یہ تمام نظارہ مجھے ناممکن یا اجنبی محسوس نہ ہوا۔ خواب گذر گیا۔ لیکن اس کا اثر دل میں ہمیشہ کے لئے باقی رہ گیا۔ دوسرے روز جب میں نے اس کو دیکھا۔ تو وہ پہلے کی نسبت دوسرے رنگ میں نظر آیا۔ خواب کی وہ تصویر میرے دل پر قابض ہوگئی۔ میں خوف زدہ ہوکر اس سے دور رہنے لگی۔ لیکن اس کے تصور نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس وقت سے میرے دل کو چین نہیں ہے۔ اور میرے اندر بالکل اندھیرا چھا گیا ہے۔

## ۶

جبکہ وہ آنسو پونچھتی ہوئی اپنی کہانی سنا رہی تھی۔ تو میں نے دیکھا کہ سنیاسی اپنے دائیں پاؤں سے میری سطح کو زور کے ساتھ دبا رہا تھا۔ سنیاسی نے کہا تمہیں تبلانا چاہئے کہ تم نے کس شخص کو خواب میں دیکھا

کسم نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ کہ میں نہیں تبلا سکتی

سنیاسی نے کہا کہ میں تمہاری بہتری کے لئے پوچھتا ہوں۔ سچ سچ تبلاؤ وہ کون ہے؟

کسم نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے لیکن بدستور جوڑے ہوئے کہا۔ کہ کیا ضرور تبلانا ہوگا؟

سنیاسی نے کہا ہاں ضرور۔ وہ فوراً چلا اٹھی۔ کہ مہاراج! وہ شخص آپ ہی ہیں

اور جب وہ یہ الفاظ کہہ چکی - تو ایک دم بیہوش ہو کر سیڑھیوں پر گر پڑی - لیکن سنیاسی ایک پتھر کی مورت کی طرح اسی طرح کھڑا رہا -

جب اس کو ہوش آیا - اور اٹھکر بیٹھ گئی - تو سنیاسی نے آہستہ سے کہا - تم نے اب تک میری ہر ایک ہدایت کی تعمیل کی ہے - میں ایک اور حکم تمہیں دوں گا - اس کی بھی تمہیں تعمیل کرنی ہوگی - میں آج کی رات یہاں سے چلا جاؤں گا - تم پھر مجھے نہ دیکھو گی - اس لئے میں کہتا ہوں کہ "تم مجھے بالکل بھول جاؤ - وعدہ کرو کہ تم ایسا ضرور کرو گی"۔

کسم سیدھی کھڑی ہوگئی - سنیاسی کے منہ کی طرف دیکھا - اور نرم آواز میں جواب دیا - مہاراج! جیسا آپ فرماتے ہیں - ایسا ہی ہوگا"۔

سنیاسی نے کہا کہ میں اب جاتا ہوں -

ایک لفظ زبان سے نکالے بغیر کسم آگے جھکی اور سنیاسی کے پاؤں کی خاک لیکر اپنے سر پر ڈالی - سنیاسی وہاں سے چلا گیا - کسم نے اپنے دل میں کہا "اس کا حکم یہ ہے کہ میں اسے بھول جاؤں"۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ وہ دریا کی طرف گئی - جس وقت سے وہ بہت ہی چھوٹی لڑکی تھی وہ اسی دریا کے کنارے رہی تھی - اگر مشکل کے وقت میں دریا اسے گود میں لینے کے لئے ہاتھ نہ پھیلاتا تو دوسرا کون اس کی مدد کرتا ؟

چاند چھپ گیا رات تاریک ہوگئی -

میں نے پانی میں کسی کے کودنے کی آواز سنی - لیکن پورا اندھیرے کے دیکھا کچھ نہیں - رات کی تاریکی میں ہولناک ہوا بڑے زور سے چلی - گویا وہ آسمان کے تمام ستاروں کے چراغ گل کرنا چاہتی تھی - تاکہ کوئی اس سانحہ ہوش ربا کو نہ دیکھ سکے - وہ جو میری گود میں کھیلتی رہی تھی - آج کی رات اس نے اپنا کھیل ختم کیا میری گود سے چلی گئی - خدا جانے کہاں!



# قسمت کا تماشا

مسٹر این۔ گپتا کے قلم سے

## ۱

ستمبر کا مہینہ اور دوپہر کا وقت تھا۔ آسمان پر کہیں بادلوں کا نام و نشان نہ تھا۔ اور نہایت تیز اور چلچلاتی دھوپ پڑ رہی تھی۔ درخت بہت کم اور ایک دوسرے سے فاصلہ پر آگے ہوئے تھے جہاں تک نظر پہنچ سکتی تھی۔ بنجر زمین کا ایک وسیع و عریض قطعہ دکھائی دیتا تھا۔ پچھلے دنوں کی بارش سے جو رطوبت زمین کے اندر پیدا ہو گئی تھی۔ اُسے سورج کی گرمی بڑی تیزی سے خشک کر رہی تھی چاروں طرف ہوا میں ہلکے ہلکے بخارات اٹھتے نظر آتے تھے۔ بلندی پر گدھ اور چیلیں ہوا میں چکر کاٹ رہی تھیں۔ گرمیوں کی دوپہر اور جاڑوں کی آدھی رات کا سناٹا مشہور ہے۔ دور و نزدیک ہر جگہ بلا کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی ارضی یا سماوی آواز اس سناٹے میں خلل انداز نہ ہوتی تھی۔ دور دور تک آدم یا آدم زاد کا پتہ نشان نظر نہ آتا تھا۔ فی الحقیقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ویران اور بیابان زمین پر کبھی انسان کا گذر ہی نہیں ہوا۔

اس دھوپ کے جلے ہوئے ویرانہ میں سے میں اور چندر کمار دوپہر کے وقت گذر رہے تھے مجھے معلوم نہ تھا کہاں جا رہا ہوں؟ یا اس لئے جا رہا ہوں؟

چندر کمار بچپن سے میرا دوست تھا۔ چھوٹی عمر ہی میں وہ گھر سے بھاگ گیا اور برسوں تک کسی کو معلوم نہ تھا وہ کہاں ہے۔ اس کے بعد ایک روز وہ یکایک اپنے گاؤں میں آ گیا۔ اور اب میں اس کے کہنے پر اس کے ساتھ جا رہا تھا۔ نامعلوم کہاں کو۔ میں نے ایک دو بار اس سے پوچھا بھی۔ کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ مگر اس نے مجھکو بالکل جواب نہ دیا

گھر سے چلے ہوئے ہمیں دس روز ہو چکے تھے۔ لیکن مجھے معلوم نہ تھا۔ ہم کہاں پہنچ چکے ہیں۔ اس دس دن کے عرصہ میں ہم نے اپنے سفر کا بہت سا حصہ ریل گاڑی اور بہلی میں طے کیا تھا۔ لیکن آج صبح چندر کمار نے یہی رائے دی۔ کہ ہمیں اب پیدل چلنا چاہئے۔ میں جب عذر کرنے لگا تو وہ بولا ہمیں کچھ زیادہ فاصلہ طے نہیں کرنا ہے۔ اس بیابان میدان میں ہم دونوں کے سوائے اور کوئی متنفس نہ تھا۔ ہم کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس چٹیل میدان میں پہنچے تھے۔ مگر یہ بات مجھے معلوم نہ تھی۔ کہ ہم نے کس قدر فاصلہ طے کیا ہے اور ابھی کسقدر اور طے کرنا ہے

گھر سے غائب ہونے سے پیشتر چندر کمار بڑا ملنسار جوان ہوا کرتا تھا۔ اس نے بڑی با مذاق طبیعت پائی تھی۔ اور اس کی باتیں سننے میں ایک خاص لطف آتا تھا۔ لیکن جب وہ واپس آیا۔ تو اس کی حالت بالکل بدل چکی تھی۔ وہ بہت کم گو ہو گیا تھا اور مزاج کا بھی چڑچڑا اور تلخ نظر آتا تھا۔ آج اس نے قطعی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

وہ ادھر ادھر یا پیچھے کی طرف دیکھے بغیر جلد جلد قدم اٹھائے چل رہا تھا۔ میرا بدن پسینے سے شرابور تھا چلتے چلتے ٹانگیں درد کرنے لگی تھیں۔ لیکن چندر کمار کے چہرہ پر تکان یا اضطراب کی کوئی علامت نہ تھی۔ رفتہ رفتہ دن ڈھلنے لگا۔ مگر ابھی تک اس ویرانہ کا سفر ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ مجھے اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ کہ چندر کمار راستہ بھول گیا ہے۔ آخر کار میں نے پوچھا "ہم کس طرف کو جا رہے ہیں؟ تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ ہم راستہ نہیں بھولے ہیں؟

اس نے لاپرواہی سے جواب دیا "تم بالکل اندیشہ نہ کرو۔ یہی راستہ ہے۔ ٹھیک کر چلے آؤ"

یہ پہلا موقعہ تھا کہ آج اس نے میری بات کا جواب دیا۔ اس کے بعد ہم بدستور چلتے رہے

آخر کار سورج افق مغرب کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اپنے سایہ کی طرف دیکھا۔ تو وہ بہت لمبا ہو چکا تھا۔ لیکن میں چندر کمار سے دوبارہ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا۔ تھوڑی دیر میں درختوں کی ایک قطار نظر آئی۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ اس ویرانہ کی حد ہو گئی۔

جب ہم اس صحرا کو پیچھے چھوڑ کر سرزمین پر پہنچے۔ تو گہری شام ہو چکی تھی۔ دور فاصلہ پر ایک پھوس کی جھونپڑی نظر آتی تھی جب ہم اس کے قریب پہنچے۔ تو چندر کمار نے گہرا سانس لیکر کہا "ہم منزل پر پہنچ گئے" اور جھونپڑی کے اندر داخل ہو گیا

## ۳

میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر گیا۔ جھونپڑی بہت چھوٹی سی تھی۔ اور اس کے اندر صرف ایک ہی کمرہ تھا۔ اس وقت اس کے اندر کوئی مکین نہ تھا۔ مگر آثار سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ غیر آباد نہیں ہے چندر کمار نے وہاں پہونچکر ایسی طرز اختیار کی۔ گویا وہ جھونپڑی اس کی اپنی تھی۔ اس نے میزبانی کے لہجہ میں کہا "یہاں پر آرام کرو"

مجھے شدت کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ کمرہ کے اندر ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ تو ایک کونے میں مٹی کی صراحی رکھی تھی۔ اس میں سے سرد پانی انڈیل کر پی گیا۔

پانی پی کر میں نے پوچھا "یہاں ہمیں کب تک ٹھہرنا ہوگا؟"

چندر کمار دروازہ میں کھڑا ہوکر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا "میں تمہیں تھوڑی دیر میں بتاؤں گا"۔ میں نے کچھ اور کہنا مناسب نہ جانا۔ چونکہ تھکا ماندہ تھا۔ اس لئے ایک طرف کو پڑے ہوئے پھونس پر لیٹ گیا۔ اور تھوڑی دیر میں گھوک سوگیا۔

جب میری آنکھ کھلی۔ تو چندر کمار جھونپڑی میں موجود نہ تھا۔ میں باہر نکلا۔ اس وقت چاندنی خوب اچھی طرح کھلی ہوئی تھی۔

چاند کی سفید روشنی میں صحرا ایک ساکن اور توج سے خالی سمندر کی طرح نظر آتا تھا۔ چاروں طرف اوداسی کی رنگت لئے ہوئے خاموشی چھائی تھی۔ صرف کبھی کبھی جھونپڑی کے قریب کسی ٹنڈ منڈ درخت پر الو کی چیخیں سنائی دیتی تھیں۔ اس وسیع بیابان میں صرف میں ہی اکیلا انسان تھا۔ حیرت تھی کہ چندر کمار کہاں گیا۔

رات زیادہ گذر چلی تھی۔ میں دروازہ سے ہٹ کر پھر جھونپڑی کے اندر داخل ہوا۔ مگر رات بھر آنکھ نہ لگ سکی

آدھی رات کے وقت اس طرح پاؤں کی چاپ سنائی دی۔ گویا کوئی شخص جلد جلد جھونپڑی کی طرف آرہا ہو۔ میں اٹھکر بیٹھ گیا۔ چندر کمار جلد جلد جھونپڑی کے اندر آیا اور اس کے پیچھے پیچھے کوئی اور شخص دبے پاؤں داخل ہوا۔ میں نے کپڑوں سے اندازہ کیا۔ کہ یہ کوئی عورت ہے۔ لیکن اس وقت میں اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔

چندر کمار نے اضطراب اور اندیشے کے لہجہ میں مجھے ایک ننگی اور تیز دھار کی تلوار دیتے ہوئے کہا "اسے اچھی طرح تھامے رکھو اور دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ۔ دیکھو کسی کو اندر نہ داخل ہونے دینا۔ ورنہ ہماری جان کی خیر نہیں۔ اگر کوئی اندر آنے کی کوشش کرے۔ تو بیشک اس پر وار کرو"

میں نہ تو کچھ بولا اور نہ اس سے کچھ سوال پوچھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ میرے اندر اس کے احکام سے انکار کی طاقت یا دلیری ہی نہیں ہے۔ ننگی تلوار کو ہاتھ میں لئے میں دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔

صاف نکھری ہوئی چاندنی میں دور تک صحرا کی سطح بخوبی نظر آتی تھی۔ صرف ان درختوں کی قطار کے قریب کسی قدر اندھیرا تھا۔ مجھے کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی۔ نہ کوئی خوف دلانے والی آواز سنی جھونپڑی کے اندر سے بھی کسی کے بولنے کی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ گاہ بگاہ سانس کی آواز اس طرح پر ہلکے طور سے سنائی دیتی تھی۔ گویا کوئی گہرا خوف مکینوں کے دل پر قبضہ جمائے ہوئے تھا۔

یکایک جھونپڑی کے سامنے کسی شخص کا سایہ نظر آیا۔ میں نے تلوار کے دستہ پر اپنی گرفت کو مضبوط

گیا۔ اور دلیری سے کہا "کون ہے ؟" سایہ غائب ہو گیا اور پھر دکھائی نہ دیا۔

اس کے بعد یکایک جھونپڑی کے اندر سے دبی ہوئی خوف کی چیخ سنائی دی۔ لیکن میں اس آواز کو شناخت نہ کر سکا۔ اتنے میں پھر وہی سایہ نمودار ہوا۔ اور میں نے پوچھا "کون ہے ؟"

سایہ پھر غائب ہو گیا۔ مجھے اس بات کا یقین آ گیا کہ کوئی شخص نظروں سے بچکر جھونپڑی کے گرد پھر رہا ہے۔ وہ خود تو چھپا رہتا ہے۔ مگر اس کا سایہ چاندنی میں دکھائی دے جاتا ہے۔ جتنی بار وہ سایہ مجھے نظر آیا۔ اتنی ہی مرتبہ میں نے اپنے سوال کو دہرایا اور ہر بار میرے سوال پر وہ سایہ اسی طرح غائب ہوتا رہا۔

دور افق میں پو پھٹنے لگی اور صبح کاذب کی دھندلی روشنی میں چاندنی کا اجالا مدھم پڑتا نظر آیا۔ ٹھیک اس وقت جھونپڑی کے عین قریب ایک ہلکا شیطانی قہقہہ سنائی دیا۔ اس غیر انسانی نفضیکی قہقہہ کو سنکر میرا سارا بدن کانپ اٹھا۔

## ۳

جب دن نکلا۔ اور چندر کمار جھونپڑی سے باہر آیا۔ تو میں اس کی صورت کو دیکھکر حیران و ششدر رہ گیا۔ اس سے پہلے کبھی مجھے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ کہ انسان کی صورت ایک رات کے اندر اندر اس قدر بدل سکتی ہے۔ خوف نے اپنی زبردست مہر اس کے چہرہ اور آنکھوں پر لگا رکھی تھی۔ لیکن اس وقت میں نے اس کے سامنے اس کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ مجھے اس سے چند اور ضروری باتیں کرنا تھیں۔

میں نے کہا "چندر کمار میں تم سے چند باتوں کی تشریح چاہتا ہوں۔ اس وقت تک نہ تو میں نے ہی تم سے کوئی خاص بات دریافت کی ہے۔ اور نہ تم نے مجھے کچھ بتایا ہے۔ لیکن اب میرے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ آیا میں تمہیں کسی نیک اور راست کام میں مدد دے رہا ہوں یا گناہ و معصیت کے فعل میں ؟"

اس نے جواب دیا "تم جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو۔ خوشی سے پوچھو"

"کیا یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے ؟ گھر چھوڑنے سے پہلے کیا تمہاری شادی نہ ہوئی تھی ؟"

وہ کہنے لگا "جواب دینے سے پہلے میں تم سے اس بات کا اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تم جو کچھ میں کہوں۔ اسے سچ مان لو گے"

میں نے جواب دیا "مجھے تم پر پورا اعتبار ہے"

"وہ میری بیوی نہیں ہے"

"تو پھر تمہارے ساتھ کیوں ہے ؟"

لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے جواب دیا۔

"افسوس کہ میں تمہیں ہر بات سے واقف نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا اطمینان دلا سکتا ہوں کہ ہمارے تعلقات اس وقت تک بالکل پاک ہیں۔ ایک بار اس نے میری جان بچائی تھی۔ پھر ایک موقعہ پر اس کی زندگی معرض خطر میں تھی اس وقت میں نے اسے بچایا۔ لیکن اب ہم دونوں کی زندگیاں خطرہ میں ہیں۔ اگر تم بچا سکتے ہو تو خدارا ہمیں بچاؤ۔ ہمارے پاس اب اپنے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

میں نے پوچھا "تم واپس گاؤں کو چلنا چاہتے ہو؟"

"ہاں اگر ہم زندہ رہے"

"اس صورت میں اس لڑکی کا کیا بنیگا؟"

"اگر اس نے مان لیا۔ تو میں اس سے شادی کرونگا۔"

"ابھی تم نے اسے پوچھا نہیں؟"

"نہیں کیونکہ ابھی وقت نہیں آیا۔"

"اگر اس نے نہ مانا تو؟"

"وہ تمہارے پاس رہے گی۔ تمہیں اس میں کچھ عذر تو نہ ہوگا؟"

میں نے حیران ہو کر اس کے چہرہ کی طرف دیکھا۔ اسکی صاف نظر میں صداقت کی جھلک موجود تھی مضمون گفتگو بدل کر میں نے کہا "تمہیں یہ خیال کیونکر پیدا ہوا کہ تمہاری زندگیاں خطرہ میں ہیں۔ تم اپنا بچاؤ آپ کیوں نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تم تو مجھ سے بدرجہا مضبوط ہو؟"

ہلکی افسوسناک مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جواب دیا "رات تمہیں خطرہ کی کوئی مشتبہ علامات نظر آئی نہیں؟"

چاندنی رات میں وہ پُراسرار سایہ اس کا غیر متوقع طور پر نظر آنا اور غائب ہو جانا۔ صبح کاذب کی دھندلی روشنی میں اس شیطانی قہقہہ کا سنائی دینا یہ سب باتیں متحرک تصاویر کی طرح سے میرے دماغ کے اندر سے گذریں۔

کیا یہ تمام باتیں امر واقعہ تھیں یا محض میرے مضطرب دماغ کی فرضی تصاویر؟ تھوڑی غور کے بعد میں نے جواب دیا "رات جو کچھ میں نے دیکھا یا سنا معلوم نہیں کہ وہ اصلی تھا یا فرضی۔ لیکن بہر نوع میں اسکی تشریح نہیں کر سکتا۔"

وہ بولا "بیشک تم نہیں کر سکتے۔ اگر تم ان باتوں کو ہماری طرح سے محسوس کر سکتے۔ تو تمہیں بھی معلوم ہوتا

ان کو سمجھ کر میرا خوف کیسا ہوتا ہے۔ خدا کا شکر کرو کہ تم ہماری طرح اپنی حفاظت سے معذور و مجبور نہیں ہو۔ میں تمہیں محض اس لئے اپنے ساتھ لایا ہوں کہ اگر انسانی امداد کچھ فایدہ دے سکتی ہے۔ تو اسے آزما کر دیکھا جائے۔"

## ۹

اتنے میں وہ نازنین بھی باہر آگئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے اس کا چہرہ دیکھا عورت کیا تھی حسن دنیا کا ایک مرقع تھی۔

اگر میں یہ کہہ دوں کہ وہ حسین تھی۔ تو اس سے آپ اس کے حسن کا کچھ بھی اندازہ نہ کر سکیں گے حقیقت یہ ہے کہ خالص عفت اور مکمل حسن کا ایسا نظارہ بہت کم فانی انسان کی نظروں کے سامنے آتا ہے۔ اس کی آنکھیں ایک عمیق سمندر کی مانند تھیں۔ ویسی ہی صاف اور ویسی ہی اتھاہ۔ اس کی عیب و گناہ سے پاک روح کی روشنی ان کے اندر منعکس تھی۔ اس کی صورت دیکھتے ہی چندر کمار کے متعلق میرے تمام شبہات دور ہو گئے۔

اس نے اس کے ساتھ کسی ایسی زبان میں گفتگو کی۔ جسے میں نہ سمجھ سکتا تھا۔ میری سمجھ میں ان کی باتوں کا ایک لفظ بھی نہ آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد چندر کمار نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا۔" وہ ہماری زبان نہیں جانتی"

اس کے بعد وہ پھر گفتگو کرنے لگ گئے۔ اس بات کا اندازہ کہ وہ میری نسبت گفتگو کرتے ہیں۔ میں نے اس بات سے لگایا کہ وہ رہ رہ کر میری طرف دیکھتی جاتی تھی۔ اس کی نگاہ تھا اس وحشی ہرن کی مانند تھیں جو ڈرتا ڈرتا اس شخص کا شکریہ اپنی خوبصورت آنکھوں سے کر رہا ہو جس نے کہ اسے شکاری سے بچایا تھا۔ آخر کار چندر کمار نے اسے میرا نام بتایا۔ اس نے بھی ایک ایک جز کے واضح ہجوں میں دوہرانے کی کوشش کی۔

" بر ـــــ بھات ـــــ چن ـــــ در"

میں نے چندر کمار سے کہا" اسے سمجھا دو پورا نام لینے کی کیا ضرورت ہے۔ خالی پربھات کافی ہے"۔ یہ بات اس نے اسے سمجھا دی۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ اور پہلے کی نسبت میرا نام جلد لیکر کہنے لگی۔ "پر ـــــ بھات"

میں بھی اس کا نام معلوم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن نامناسب معلوم ہوتا تھا کہ پوچھتا۔ مگر چندر کمار نے خود ہی کہا"۔ تم بھی اس کا نام معلوم کرنا چاہتے ہوگے؟"

میں نے کہا" یقیناً"

چندر کمار کی درخواست پر اس نے مجھے اپنا نام "بدلا" بتایا۔

یہ نام بالکل غیر معروف نہ تھا۔ اس کے بعد ہم نے مکر کہا کہا یا،

"اب کیا کرنے کا ارادہ ہے؟"

اس نے کہا "جو تم کہو"

چندر ہمار میں ایک نمایاں تبدیلی واقع ہو

سرتا رہا تھا۔ لیکن اب گویا اس کی قوت ارادہ

ہر بات میں میرے کہے مطابق چلنا چاہتا ہے

آپ یہاں سے چلدینا چاہیے'

اس نے جواب دیا"

ہوں یا ہجوم دار

سبھی جگہ۔

نہ ملی۔ خدمتگار نے دروازہ کے قریب بستر لگا لیا۔ اس رات بہی مجھے اچھی طرح سے نیند
بہت سے طرح طرح کے خیالات مجھے بے چین کر رہے تھے۔ ان دونوں کی
ات سے اس قدر ڈرتے ہیں۔ یہ سوال رہ رہکر میرے دل میں پیدا ہوتے
کے ساتھہ بہت بڑھ چکی تہی۔ ایسا معلوم ہوتا تہا۔ میں ان کی شادی
اس کا ذمہ دار اخلاقاً میں ہی ٹھہرونگا۔

کا۔ اس قسم کی آواز اس دالان میں سے ہی جس میں وہ
س غور سے سننے لگا۔ لیکن پہر آواز سنائی نہ دی
ات تہا۔ میں نے سنا تو صرف ایک

نہ پہلو بدلا۔ گہرا سانس

تہی۔

،

واضح طور پر اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ لیکن معلوم نہیں وہ کہاں سے آرہی تھی۔ میرے بدن پر رو ہر گئے۔ اور میں کسی نامعلوم آنے والے پراسرار خطرہ کے انتظار میں خوف کھانے لگا۔ آواز دمبدم قریب تر ہوتی سنائی دے رہی تھی۔ لہجہ بالکل صاف اور واضح مگر بلند نہ تھا۔ الفاظ جو سنائی دیتے تھے کسی غیر زبان کے تھے جنہیں میں سمجھ نہ سکتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کوئی شخص جلد جلد کوئی سحر یا منتر پڑھ رہا ہے۔

میں نے عصبی خوف کی حالت میں پوچھا " تم کون ہو"؟

اس کا کچھ جواب نہ ملا۔ لیکن وہ آواز رفتہ رفتہ پیچھے ہٹتی معلوم ہونے لگی۔ یہی عمل کئی بار ہوا۔ پہلے وہ آواز قریب معلوم ہوتی تھی۔ پھر بتدریج پیچھے کو ہٹتی جاتی تھی۔ آواز ہر حالت میں ایک ہی ہوتی تھی۔ اور الفاظ کی کیفیت میں بھی فرق نہ تھا۔ آخر کار پو پھٹنے کے قریب آواز زیادہ مدہم ہوتی گئی۔ یہانتک کہ آخر کار دور فاصلہ پر جاکر سنائی دینے سے رہ گئی

وہ ایک عجیب بھیانک آواز تھی۔ اسے یاد کر کے اب بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں

## ۶

میں اس عجیب وغریب واقعہ کا ذکر چندر کمار سے کرنا مناسب نہ جانا کیونکہ میں صاف طور سے دیکھ رہا تھا اس کا دل پہلے ہی مضطرب ہو رہا ہے۔ اگر میں نے رات کے واقعات کا کچھ بھی ذکر اشارۃً یا کنایۃً کیا۔ تو اس کی گھبراہٹ اور بھی زیادہ ہو جائے گی۔ علاوہ بریں اسے یہ باتیں بتانا بھی فضول تھا کیونکہ وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔

یہی خوفناک اور عجیب واقعات ہر روز رات کے وقت ظہور میں آتے۔ میں نے ان کا ذکر چندر کمار سے بالکل نہ کیا۔ نہ مجھے معلوم تھا آیا چندر کمار نے بھی ان باتوں کو جو میرے دیکھنے یا سننے میں آتی تھیں دیکھا یا سنا ہے کہ نہیں۔ بہر نوع اس نے خود کبھی اس بارہ میں مجھ سے بات چیت نہ کی

ہمارا سفر ختم ہونے میں اب صرف تین دن باقی تھے۔ ہر رات میں چندر کمار اور بدلا کو بحالت خواب "میرن" کا نام لیتے سنتا تھا۔ آخر کار مجھ سے نہ رہا گیا اور ایک روز صبح کے وقت میں نے چندر سے پوچھا۔ کہ میرن کون ہے؟ اس کا رنگ لاش کیطرح زرد ہو گیا۔ اور وہ اس طرح کانپنے لگا۔ جیسے باد تند میں دریا کے کنارے سرکنڈے ہلا کرتے ہیں۔ اس نے کانپتے کانپتے ادہر ادہر دیکھا اور پھر میرا ہاتھ پکڑ کر دبی آواز میں پوچھنے لگا " تم نے یہ نام کہاں سے سنا"؟

میں نے جواب دیا " ہر روز رات کے وقت خواب کی حالت میں تمہاری زبان سے سنتا ہوں"۔

میں نے اس بات کا ذکر کرنا ضروری نہ سمجھا کہ بدلا کی زبان سے بھی یہ لفظ سننے میں آتا ہے چندر کمار

ہر سانس لیا۔ اور پوچھنے لگا: "تم نے بدلا کو بھی یہ نام لیتے سنا ہے؟"

"ہاں بحالت خواب"

اس نے کچھ اور نہ کہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اوپر کو نظر کی اور آہستگی سے کہنے لگا: "اب انجام دور نہیں" میں نے حیران ہو کر پوچھا "کس کا؟" اس نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور پرے چلا گیا۔

اس رات سوتے وقت چندر کمار دیر تک چپ چاپ آنسو بہاتا رہا۔ بدلا بھی بہت روئی۔ اس کی با[illegible] ایسی سیاہ آنکھوں نے آنسوؤں کی جھڑی باندھ دی۔ چندر کمار نے چند الفاظ اس غیر زبان میں ایک دل سوز لہجہ سے کہے اور وہ زار زار رونے لگی۔

پہلی رات کسیقدر بے چینی کے بعد میری بھی آنکھ لگ گئی۔ لیکن جلدی ہی میں خوف کے مضطرب کر دینے والے احساس کے ساتھ بیدار ہو گیا۔ دیکھا کہ دروازہ کے قریب حسب معمول آدمی کا سایہ تھا۔ لیکن اس مرتبہ میں نہ تو چارپائی سے اٹھا اور نہ اس سایہ کی طرف بڑھا۔ البتہ غور سے سایہ کی طرف دیکھتا رہا۔ سایہ جس طرح یکایک نمودار ہوا تھا۔ ویسے ہی غائب ہو گیا۔ پھر وہ دروازہ کے قریب نمودار ہوا اور اب کی مرتبہ میں نے دیکھا کہ وہ جلد جلد اپنے ہاتھوں کو ہلا رہا تھا۔ سایہ میں بازو جلد جلد اوپر نیچے اٹھتے نظر آ رہے تھے۔ آخر کار ایک بار انہیں بڑی سرعت سے حرکت دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی بجلی کی ایسی تیز روشنی کی ایک شعاع کمرہ کے اندر داخل ہوئی۔ پھر ہر طرف تاریکی چھا گئی ساتھ ہی وہ سایہ بھی غائب ہو گیا اور پھر دکھائی نہ دیا۔

جس وقت روشنی کی شعاع کمرہ کے اندر داخل ہوئی عین اسی وقت بدلا کی چیخ اس طرح سنائی دی گویا صد درجہ کی تکلیف میں ہو۔ ایک لمحہ میں چندر کمار بستر سے اٹھکر اس کے قریب پہنچا۔ میں نے اٹھکر چراغ جلایا اور پاس پہنچکر دیکھا تو بدلا بالکل بے حس و حرکت پڑی تھی۔ اس کے مردہ ہونے میں کچھ بھی شک نہ تھا اور اسکی لاش بعینہٖ اس شخص کی مانند تھی جس پر بجلی گری ہو۔ اس اثنا میں چندر کمار غور سے اسکی پیشانی کیطرف دیکھتا رہا۔ میں نے بھی اس طرف نگاہ اٹھائی۔ آپ شاید مانیں یا نہ مانیں لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ اسکی پیشانی پر ایک سیاہ داغ ٹھیک ویسا ہی جیسے انسان کی انگلی سے ہو جاتا ہے نظر آیا چندر کمار نے [illegible] کہا "اے میری جان! تم مجھے بھی کیوں نہ لیگئے؟" اتنا کہکر اس نے وحشیانہ جوش کے ساتھ اپنے بازو لڑکی کے گرد جو موت کی حالت میں زندگی سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ لپیٹ دیئے۔

لیکن قبل اس کے کہ وہ پورے طور سے اسے اپنی بغل میں لے سکتا۔ وہی تیز مہلک روشنی کی کرن پھر کمرہ میں داخل ہوئی اور چندر کمار ایک دردناک چیخ مار کر پیٹھ کے بل گر پڑا۔

اسکی پیشانی پر بھی قسمت کی انگلی کا ویسا ہی نشان موجود تھا!

---

کی باقیماندہ دوا نکالی۔ اور منہ میں ڈالکر چلو بھر پانی پی لیا۔ تھوڑی دیر میں میرے سر میں چکر آنے لگا۔ اور آنکھوں میں غنودگی چھا گئی۔ چاندنی مدھم سی ہونے لگی۔ اور زمین و آسمان جیل بو میرا گھر جہاں میں نے اس قدر عمر گذاری تھی۔ رفتہ رفتہ غائب ہوتے معلوم ہوئے۔ اور میں گہری نیند سو گئی۔

ڈیڑھ سال کے بعد خواب راحت سے چونکی۔ تو میں نے دیکھا کہ تین لڑکے میری ہڈیوں سے اناٹمی (علم تشریح) سیکھ رہے ہیں۔ اور ایک استاد میری چھاتی کی طرف بید سے اشارہ کر کے لڑکوں کو مختلف ہڈیوں کے نام بتا رہا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہاں دل رہتا ہے۔ جو شادی و غم کے وقت دھڑکا کرتا ہے۔ اور یہ وہ جگہ ہے جہاں اچھی جوانی کے وقت شگوفے (پستان) نکلتے ہیں۔

"پیارے اب میری کہانی ختم ہے۔ لو رخصت ہوتی ہوں۔ سو جاؤ۔"



# آزمائش کی رات

بابو رابندرناتھ ٹیگور کے قلم سے

میں اور سُوربالا ایک ہی جماعت میں پڑھتے تھے۔ میں اس کے ساتھ پڑھتا اور اسی کے ساتھ کھیلتا تھا۔ میں جب سُوربالا کے گھر جاتا۔ اس کی ماں مجھے لاڈ پیار کرتی۔ ہم دونوں کو اپنے پاس بلاتی۔ اور اپنے سامنے بٹھا کر کہتی "آہا! کیسی اچھی جوڑی ہے" میں گو عمر میں چھوٹا تھا۔ لیکن ان باتوں کو سمجھتا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال جم گیا تھا۔ کہ لوگوں کی نسبت سُوربالا پر میرا حق زیادہ ہے۔ سارے محلے میں اس کے حسن کا چرچا تھا۔ لیکن میری نظروں میں اس کی خوبصورتی کوئی خاص نہ تھی۔ میں تو یہی سوچے بیٹھا تھا کہ سُوربالا نے میرا ہی قبضہ منظور کرنے کے لئے اپنے باپ کے گھر میں جنم لیا ہے۔

---

میرے والد چودھری صاحب کے نائب تھے ان کی خواہش تھی۔ کہ میرے لائق ہونے پر وہ مجھے ریاست کا کام کاج سکھا کر کہیں گماشتہ بنائیں۔ پر میرا ارادہ تھا۔ کہ اپنے گاؤں کے رتن لال کی طرح بھاگ کر کلکتہ جاؤں۔ اور وہاں پڑھ لکھ کر کلکٹر کا ناظر بنوں۔ اگر ناظر نہ بن سکوں۔ تو کم از کم جج کا ہیڈ کلرک تو ضرور ہی ہونا چاہیے اس پختہ ارادہ کو میں نے اپنے من کی کوٹھڑی میں چھپا رکھا تھا۔ رتن لال کی مثال سے جرأت حاصل کر کے موقعہ ہاتھ آنے پر ایک دن میں نے کلکتہ کی راہ لی۔ پہلے تو میں کچھ دن اپنے گاؤں کے ایک واقف کے پاس رہا۔ لیکن کچھ دن بعد میرے والد نے حسب استطاعت مالی مدد دینی شروع کر دی۔ پڑھنا لکھنا باقاعدہ ہونے لگا۔ اسکول میں پڑھنے کے سوا میں سبھا سماجوں میں جاتا اور وہاں کام کرنے لگا۔ اس میں مجھے ذرا بھی شک نہ تھا کہ ملک کے لئے جان دینا بڑا بھاری کام ہے لیکن کس قسم کی اور کیسی ملکی خدمت کرنی چاہیے اسکا خیال تک میرے دھیان میں نہ آیا۔ ملکی خدمت کی امنگ میرے دل میں خود بخود اُگ آیا تھا۔ میرے جوش کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ہماری سبھا کے سبھاسد دیا کھیان دیا کرتے تھے۔ میں چندہ کے کاغذ لئے ہوئے بنا کھائے پیئے گھر گھر چندہ مانگتا پھرتا تھا۔ چوراستے پر کھڑا ہو کر سبھا کے اشتہار بانٹتا تھا۔ سبھا بھون میں جا کر میز کرسی وغیرہ سجاتا تھا۔

---

گھر چھوڑ کر میں سرشتہ دار یا ناظر بننے کے لئے کلکتہ آیا تھا۔ لیکن یہاں آ کر میز بنی اور گیری بالڈی (?) بننے کا ارادہ پختہ بنا لیا۔ اسی عرصہ میں میرے اور سُوربالا کے والد ہمارے بیاہ کے لئے کوشش کرنے لگے۔

میں کلکتہ ۱۵ برس کی عمر میں آیا تھا اب میں ۲۰ برس کا تھا والد کے نزدیک میرے بیہ [illegible] بن لڑکی تھی۔ میں دل میں عہد کر چکا تھا کہ ساری عمر بیاہ نہ کر کے ملکی فلاح کیلئے جان دوں گا۔ لیکن والد سے میں نے یہ کہہ دیا کہ تعلیم ختم کئے بنا میں بیاہ نہ کروں گا۔ تین مہینے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ شور بالا کا بیاہ ایک وکیل بابو رام لوچن کے ساتھ ہو گیا ہے۔ میں اپنی ماتا بھارت بھومی کے لئے چندہ جمع کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس لئے یہ خبر جو معمولی حالت میں میرے دل کو چیر ڈالتی یوں ہی جاتی رہی۔ اب میں نے الیف لے کا امتحان دینا تھا۔ والد سورگ دھام کو سدھار گئے والدہ اور بہنیں میرے پیچھے تھیں۔ اس لئے کالج کو چھوڑ کر روزگار کی تلاش میں پھرنا پڑا۔ بہت کوشش کرنے پر ایک چھوٹے سے ضلع کے اسکول کی سکنڈ ماسٹری ہاتھ لگی۔

---

میں دل میں خوش ہوا کہ چلو اپنے من کا کام مل گیا۔ اپنے اپدیش سے ہر ایک لڑکے کو بھاوی بھارت کا ایک سینا پتی بنا کر چھوڑوں گا۔ میں خود گیری بالڈی اور میزینی نہ بن سکا۔ تو نہ سہی۔ اس سکول روپی ٹکسال میں سے کئی گیری بالڈی نکالوں گا۔ میں نے کام شروع کر دیا۔ مجھے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اسکول میں بھارت کے مستقبل کی نسبت لڑکے امتحانات کی زیادہ پروا کیجاتی ہے اپنے شاگردوں سے اگر میں اقلیدس اور گریمر کی باتیں چھوڑ کر ملکی امور کا ذکر کروں گا تو ہیڈ ماسٹر صاحب آنکھیں دکھانے لگتے۔ دو ہی مہینہ میں میرا سارا جوش اڑ گیا کہیں کوئی آگ نہ لگا دے اس ڈر سے ایک ماسٹر کو سکول میں رہنا پڑتا تھا۔ میں تنہا اکیلا آدمی اس لئے اسکول کی رکھوالی کا کام میرے ہی ذمہ پڑا۔ اسکول کے بڑے دیوان خانہ کے ساتھ والے کمرہ میں میں اکیلا رہا کرتا تھا۔ اسکول ایک بڑے سے تالاب کے پاس بستی سے کچھ دور تھا۔ چاروں طرف سپاری ناریل وغیرہ کے درخت تھے۔ اسکول کی عمارت کے پاس ہی املی کے دو بڑے بڑے پیڑ تھے۔

---

ہمارے اسکول سے تھوڑی ہی دور سرکاری وکیل رام لوچن رہتے تھے۔ زمانہ بچپن کی میری سہیلی وکیل مہاشے کی بیوی شور بالا بھی ان کے ساتھ تھی۔ رام لوچن کے ساتھ میرا اٹھنا بیٹھنا ہونے لگا مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ رام لوچن بھی جانتے ہیں کہ نہیں کہ میں شور بالا کو اس کے بچپن سے جانتا ہوں۔ میں نے یہ مناسب بھی نہ سمجھا کہ [illegible] دونوں کی واقفیت پر بھید کھولوں۔ اس لئے پرانے واقعات کا ذکر نہ چھیڑنے کے باعث ابھی تک میرے دل میں یہ بات نہ آئی تھی۔ کہ کسی زمانہ میں شور بالا کا میری زندگی سے کیا تعلق تھا

ایک روز چھٹی کے دن میں رام لوچن کے مکان پر گیا جا کر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں انھیں میں دوسرے کمرہ میں چوڑیوں کی کنکھناہٹ۔ کپڑوں کی سرسراہٹ اور پازیبوں کی جھنجھناہٹ سنائی دی۔ کمرہ کی کھڑکی کے ایک سوراخ سے دو آنکھیں میری طرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھیں۔ بچپن کی سادگی اعتقاد اور محبت سے بھرے ہوئے

[illegible] ...سے بھرے ہوئے کالے بادلوں کی مانند میرے دل پر اثر انداز ہو رہے تھے۔

...زمانہ کی یاد سے مضطرب ہو کر دل دھک دھک کرنے لگا۔

---

گھر لوٹا۔ لیکن میرے دل کی تکلیف گھٹنے کی بجائے بڑھنے لگی۔ دل بہلانے کے بہت سامان کئے۔ لیکن یہ دل کی جلن بڑھتی ہی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل ایک پتھر کے بوجھ سے دبا جا رہا ہے۔ سورج نارائن غروب ہو گئے لیکن دل کی تکلیف رخصت نہ ہوئی۔ میں تنہائی میں چپ چاپ بیٹھا غور کرنے لگا کہ تیری شوربالا کہاں ہے؟ من مجھ سے پوچھنے لگا کہ تیری شوربالا کہاں گئی؟ میں نے جواب دیا۔ میں نے تو خود ہی اپنی خواہش سے چھوڑا تھا۔ کیا وہ جنم بھر میری راہ دیکھتی رہتی؟ من سے پھر آواز آئی۔ جسے تو اس وقت صرف خواہش کرنے ہی سے پا سکتا تھا اسے اب تو لاکھ سر پٹکنے پر بھی پا نا تو دور رہا آنکھیں بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا۔ بچپن میں تیرے ساتھ کھیلنے والی شوربالا اب تیرے پاس ہی کیوں نہ رہتی ہو۔ اسکی چوڑیوں کی کھنکار تیرے کانوں میں پہلے ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ تیری سونگھنے کی طاقت اس کے سر کے تیل کی خوشبو سے مست ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ پر یہ یاد رکھنا۔ اس کے اور تیرے درمیان پتھر کی دیوار حائل ہے۔

میں نے جواب دیا۔ "دیوار ہے تو رہنے دو۔ شوربالا میری کون ہے" جواب ملا۔ "ہاں آج شوربالا سے تیرا کچھ بھی تعلق نہیں مگر کسی وقت تھا۔ تب وہ تیری کیا ہو گئی ہوتی؟ میں نے کہا۔ "ہاں یہ سچ ہے کہ شوربالا میری کیا ہو گئی ہوتی؟ میری زندگی کے سکھ دکھ کی بانٹنے والی میری پران ایشوری ہونے والی تھی۔ آج وہ مجھ سے اتنی دور ہے کہ آج میرے لئے اس کو دیکھنا گناہ اس سے بولنا دوش۔ اسکی خواہش کرنا پاپ ہو گیا۔ رام لوچن ہمارے بیچ آ کر کھڑا ہو گیا۔ یوں سمجھو کہ جادو کا منتر پڑھ کر دے دیا ہے زمین اور آسمان سے بے اثر میں دنیا میں نئی رسوم کا واعظ بن کر نہیں آیا ہوں۔ میرا ارادہ سماج کے قواعد توڑنے کا نہیں۔ میں سماج کے بندھن توڑنے نہیں چلا۔ میں صرف اپنے من کی خواہشوں کو ظاہر کر رہا ہوں جتنے خیال دل میں اٹھتے ہیں وہ سبھی بے معنی ہیں۔ میں دل میں یہ نہیں سوچ رہا کہ شوربالا پر جو آج رام لوچن کے گھر کی رونق بڑھا رہی ہے میرا استحقاق زیادہ ہے یا رام لوچن کا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ اس کا خیال کرنا بہت برا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس قسم کی سوچ [illegible] ... کے خلاف ہے۔

---

شام کے وقت تک میرا دل ان خواہشات نفسانی سے ہٹ کر کسی اور کام میں نہ لگ سکا۔ دوسرے دن دوپہر کو جب میں اپنی کلاس میں بیٹھا پڑھا رہا تھا میرے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی۔ یہ خواہش کس بات کی تھی پتہ نہیں۔ اسکول میں چھٹی ہوئی۔ مجھے اکیلے کمرہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ شام کو تالاب کے کنارہ پر ناریل اور سپاری کے درختوں کی بے معنی آواز کو سنکر میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ انسان کی ہستی ایک بھاری دھوکہ کا جال ہے۔

اگر .. ب چاہتا تھا۔ تو شوربالا کا شوہر بنکر پڑتا ہے۔
خواہش پیدا ہوئی۔ اور آخر بنا کیا؟ ایک چھوٹے سے اسکول کا۔

---

رام لوچن ایک دن کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے باہر گئے تھے جس طرح پر
اکیلا تھا۔ اسی طرح شوربالا اپنے گھر میں اکیلی تھی۔ صبح سے ہی بادل آسمان پر گھر آئے تھے۔ دس
ہونے لگی۔ بر کھا زیادہ ہونے سے طلباء کو تکلیف تھی اس خیال سے ہیڈ ماسٹر صاحب نے اس دن
تھی۔ بادلوں کے کالے کالے ٹکڑے آسمان میں پھر رہے تھے۔ بڑے زور کی جھڑی شروع ہوئی جوں جوں
ہونے لگی۔ بارش کا زور بڑھنے لگا۔ دل میں خیال آیا۔ اس بھیانک رات کو شوربالا اپنے گھر میں اکیلی
ہوگی۔ اسکول کی عمارت اس کے گھر کی نسبت زیادہ مضبوط تھی۔ خیال آیا کہ اسے لاکر اپنے کمرہ میں رکھوں۔ یا خود بھی
رات اس کے گھر میں کاٹوں۔ رفتہ رفتہ رات کا ڈیڑھ بج گیا۔ پانی اسی شدت سے پڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ سمندر بھی زمین کی طرف اُمڈا چلا آتا ہے۔ میں اپنے کمرہ سے باہر نکلا۔ شوربالا کے مکان کی طرف میرے پیر
چلنے لگے۔ پانی اتنا بڑھ چلا تھا۔ کہ راستہ پر بھی گھٹنوں تک ہو گیا تھا۔ ایک جگہ زمین اونچی تھی۔ میں اس پر چڑھ گیا۔ کیا
دیکھتا ہوں کہ اس طرف سے کوئی اودھر چلا آرہا ہے۔ اس کو دیکھکر میرا دل ہی نہیں بلکہ سر سے پیر تک میرا سارا جسم بھی سمجھ گیا
کہ وہ کون ہے

---

ہمارے چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ ٹاپو کے مانند اٹھی ہوئی اس زمین پر ہمیں دو دم بخود متنفس رہ گئے
تھے۔ وہ سماں قیامت کا تھا۔ آسمان بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ ایک بھی تارہ نظر نہ آتا تھا۔ تاریکی سے رات نے
بھیانک صورت اختیار کی ہوئی تھی۔ ہم دونوں میں ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نکالنے کی طاقت نہ تھی۔ نہ میں نے
اور نہ اس نے ہی کوئی بات کہی۔ یہاں تک کہ ہم میں سے کسی نے آپس میں خیر و عافیت بھی نہ پوچھی۔ ہم دونوں
تاریکی کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھنے لگے۔ آج شوربالا ساری دنیا کو چھوڑ کر میرے پاس آئی ہوئی ہے۔
بچپن سے آج کتنا وقت گذر گیا ہے۔ اس وقت اور اس وقت کے درمیان کتنا نا ہیک زمانہ تھا۔
اس تاریکی سے گذر کر اب شوربالا میرے پاس کھڑی ہے۔ زمانہ کی زبردست رو اس ننھی کلی کو میرے پاس
لے آئی ہے۔ اگر پانی کی ایک بھی لہر چڑھ آئے۔ تو وہ ہم دونوں کو ایک میں ملا دے۔
ایشور کرے پانی یہاں نہ چڑھ سکے۔ شوربالا اپنے گھر میں دھن جن پتی کنیا کے ساتھ سنسار
کے سکھ بھوگے۔ میرے لئے بھی آج اس موت [illegible] کی انتہا پورا آنند پایا ہے۔

...ن کی طرف چلی۔ اور میں بنا کچھ بو... اپنے

...ر بن سکا۔ نہ سر شتہ دار گیری بالڈی بھی نہ بن سکا۔ آخر کو ایک

...ماسٹر بنا۔ ساری زندگی میں ایک پل بھر کے لئے میری زندگی کی ختم ہونے

...یا رج کی روشنی نمودار ہوئی۔ میری اتنی عمر میں وہی ایک تاریک رات میری اس حقیر

کامیاب کہلانے کا موجب ثابت ہوئی۔